پاک جمہوریت

لاہور

نومبر، دسمبر 2013ء

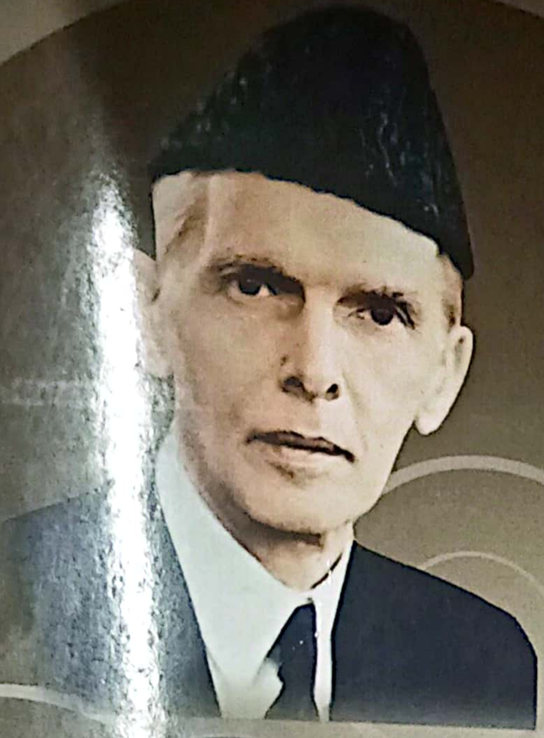

Pakistan 2025

together for better tomorrow

CamScanner

حکومت پنجاب، سندھ، خیبر پختونخوا اور بلوچستان کے محکمہ تعلیم کی طرف سے سکولوں اور لائبریریوں کے لیے منظور شدہ

پاک جمہوریت
لاہور

وزارتِ اطلاعات، نشریات و قومی ورثہ کا جریدہ

جلد	شمارہ نمبر		رجسٹرڈ نمبر
54	6	نومبر، دسمبر 2013ء	CPL 39

فہرست

عنوان	مصنف
حمد باری تعالیٰ	حکیم خان حکیم
نعت رسولِ مقبولؐ	انور ندیم
مضامین	
حقا کہ بنائے لا الہٰ است حسینؓ	پیر سید غلام معین الحق گیلانی
دیتی رہے گی درس شہادت حسینؓ کی	تنویر ظہور
امام حسینؓ سب کے ہیں	اسرار بخاری
منظوم خراج تحسین	مسعود صدیقی
گنج بخشؒ فیض عالم مظہرِ نورِ خدا	علامہ پیر محمد تبسم بشیر اویسی
حضرت عیسیٰؑ کا یومِ ولادت اور کرسمس	حسن محمود
نذرِ اقبالؒ و قائداعظمؒ	
منظوم خراج تحسین	ناصر زیدی، اکرم سحر فارانی
اقبالؒ کے ہاں مردِ مومن کا تصور	رانا اعجاز احمد خان
قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ	ڈاکٹر محمد سلیم
برصغیر اسلامی تہذیب کا بے مثال پاسدار۔ قائداعظمؒ	ڈاکٹر سید محمد اکرم
قائداعظمؒ کیسا پاکستان چاہتے تھے	خواجہ مسعود
شخصیات	
عزم وہمت کی چٹان...... بیگم حضرت محل	پروفیسر ڈاکٹر پروین خان
الحاج میاں محمد شریف	سید ولی شاہ آفریدی
حکومتی کارکردگی (تصویری جھلکیاں)	ادارہ
پالیسی	
وزیراعظم میاں نواز شریف کا شہداء کو خراج تحسین	ڈاکٹر یونس
وزیراعظم میاں نواز شریف کا دورۂ امریکہ	ریاض ابراہیم
پاکستان ریلوے کا بحالی کی جانب سفر	قیوم نظامی
نوجوانوں کے لئے ترقیاتی سکیمیں	اثیر احمد خان
قومی تاریخ کا اہم مرحلہ	عرفان صدیقی
فکرِ فردا...... ویژن 2025ء	سرور منیر راؤ
وَن نیشن، وَن ویژن	رؤف طاہر
اندھیروں کو شکست دینے کا عزم	مدیحہ ساجد
بلدیاتی انتخابات اور ووٹر کا تربیتی پروگرام	راجہ عابد پرویز
سفرنامہ	
سفرِ وادیٔ سوات (چوتھی و آخری قسط)	سید عمر الدین حسنین
متفرق	
یہ ریڈیو پاکستان ہے	فریحہ حمید
جنرل پوسٹ آفس لاہور	شیخ نوید اسلم
سات سہیلیوں کا مزار	پرویز خان

منتظمِ اعلیٰ: شیراز لطیف

نگرانِ اعلیٰ: عنبرین گل شاہد

نگران: شبیہہ عباس

مدیر: شگفتہ انصاری

نائب مدیر: صفدر علی بلوچ

محمد نعیم احمد

انتظام و تقسیم: سید وقاص اندرابی

تزئین: وسیم نذیر، ضوریز اختر

ڈائریکٹوریٹ آف الیکٹرانک میڈیا اینڈ پبلی کیشنز
۴۶، ایبک بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور۔

فون:
(مدیر) اسلام آباد 051-9252303
(انتظامیہ) لاہور 042-35941406

قیمت عام شمارہ 10 روپے — زرسالانہ 100 روپے

ادارہ مطبوعاتِ پاکستان نے انتخابِ جدید پرنٹرز لاہور سے چھپوا کر ۴۶، ایبک بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور سے شائع کیا۔

حمدِ باری تعالیٰ

سب کچھ ملا تجھی سے اللہ ترا کرم ہے
سرشار ہوں خوشی سے ، اللہ ترا کرم ہے

ہر آن مجھ کو دی ہے تو نے سکوں کی دولت
خوش ہوں میں زندگی سے، اللہ ترا کرم ہے

احسان ہے خدایا ہر آن مجھ پہ تیرا
شکوہ نہیں کسی سے ، اللہ ترا کرم ہے

کر دے معاف لغزش سرزد اگر ہوئی ہے
عاجز ہوں بندگی سے ، اللہ ترا کرم ہے

یہ چاند اور ستارے پاتے ہیں فیض سارے
تیری ہی روشنی سے، اللہ ترا کرم ہے

ہر آن ذکر تیرا ہر آن شکر تیرا
مانگوں میں کیا کسی سے، اللہ ترا کرم ہے

الفاظ میں کہاں سے شایانِ شان لاؤں
عاجز ہوں آگہی سے ، اللہ ترا کرم ہے

حکیم خان حکیم

نعت

جب مدینے کی یاد آتی ہے
نیند مجھ سے تو رُوٹھ جاتی ہے

ہیں وہی تو سکون کے جھونکے
اُس طرف سے ہوا جو لاتی ہے

جب مدینے کو کوئی جاتا ہے
یادِ طیبہ مجھے رُلاتی ہے

میرے آقاؐ آپ کی زیارت کو
جان میری تو بلبلاتی ہے

یادِ آقاؐ میں رات رویا ہے
آنکھ انورؔ کی یہ بتاتی ہے

انور ندیم

حقّا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؓ

پیر سید غلام معین الحق گیلانی

واقعہ کربلا تاریخ عالم کا ایک محیر العقول واقعہ ہے۔ سیّدالشہداء، راکب دوشِ مصطفیٰ، حضرت سیّدنا امام حسینؓ نے منزل تسلیم و رضا پر صبر واستقامت سے فائز ہو کر جس جاں سپاری اور سرفروشی کی لازوال داستان زمین کربلا پر رقم کی اس کی مثال رہتی دنیا تک چشم فلک دیکھنے سے قاصر رہے گی۔ ازل سے جاری حق و باطل کی آویزش کا نکتۂ عروج میدانِ کربلا میں نظر آتا ہے۔ جہاں پر باطل اپنی تمام تر کوششوں اور ظاہری وسائل کے اعتبار سے برتری کے باوجود اہل حق کی ثابت قدمی میں رخنہ نہ ڈال سکا اور سینۂ کائنات پر یہ حقیقت ابد تک ثبت ہوگئی کہ۔

قتل حسین اصل میں مرگِ یزید ہے......
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

دین اسلام اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس دین کی سربلندی اور غلبہ کا اپنے محبوب مکرم سے وعدہ فرمایا ہے۔ آیت استخلاف میں (اللہ ان کے لئے ان کے پسندیدہ دین کو محکم فرمائے گا) فرما کر دین اسلام کے غالب آنے کی بشارت عطا فرمائی۔ چنانچہ حضور نبی کریمؐ کے وصال کے بعد خلفائے راشدین کے دور میں اقامت دین اسلام اور تمکین فی الارض ظہور میں آئی۔ حضرت سیّدنا پیر مہر علی شاہ قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں: "سیّد الاولین والاآخرین سے جو وعدہ دین اسلام کو سارے ادیان پر غالب کرنے کا قرآن کریم میں کیا گیا تھا وہ بمقتضائے الٰہی خلفائے اربعہ کے عہد میں متحقق ہوا۔ فتح عرب و شام اس عظیم الشان انداز میں اور تالیف و اطمینانِ قلوبِ مسلمین اور تمکین دین اس طریق پر ظہور میں آئی کہ فوق ازاں متصور نیست۔ آنحضرتؐ نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ دنیا میں کچھ عرصہ نبوت و رحمت، پھر میرے بعد تیس سال خلافت و رحمت، اس کے بعد آمرانہ سلطنت اور پھر اس کے بعد کبر اور حدود الٰہیہ سے تجاوز ہوگا۔ خلفائے اربعہ اور سیّدنا حسنؓ کا زمانہ تیس سال کا ہے جس پر خلافت و رحمت کا خاتمہ ہوگیا۔ امام حسنؓ کا خلافت کو ترک کرنا اس وجہ سے بھی تھا کہ آپ آمرانہ بادشاہت سے بحکم ("میرے بعد تیس سال خلافت ہوگی اس کے بعد یہ دانتوں سے کاٹنے والی ملوکیت ہوجائے گی") بچنا چاہتے تھے۔

چنانچہ جب حدودِ الٰہیہ سے تجاوز کا دور شروع ہوا اور اسلامی مملکت کی باگ ڈور یزید جیسے فاسق وفاجر شخص کے ہاتھ میں آئی جس کی مذمت احادیث میں آئی تھی اور حضرت ابوہریرہؓ اس کی نحوست سے پناہ مانگا کرتے تھے، تحریم ما احل اللہ اور احلال ما حرم اللہ کا مذموم فعل جاری ہوا، شعائر اسلام کا مذاق اڑایا جانے لگا، دنیا پرستی عروج پر پہنچ گئی، دینی اقدار کو پامال کیا جانے لگا اور دین اوباش لوگوں کے ہاتھوں بازیچۂ اطفال بن گیا اور نوبت بہ ایں جا رسید کہ جیسا کہ مقام بیضا پر خطبہ دیتے ہوئے حضرت امام حسینؓ نے ارشاد فرمایا "ان لوگوں نے شیطان کی

اطاعت کو لازم پکڑ لیا ہے اور رحمٰن کی اطاعت کو ترک کر دیا، زمین میں فساد برپا کر دیا، حدود اللہ کو معطل کر دیا، اور مال غنیمت پر قبضہ کر دیا، اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال اور حلال کو حرام قرار دے دیا ہے۔" ایسے حالات میں نواسۂ مصطفیٰؐ نے اپنے خون کا نذرانہ پیش کر کے گلشن اسلام کی آبیاری کا عظیم فریضہ سرانجام دیا۔ پیکرِ تسلیم و رضا بن کر گھر کا گھر راہِ حق میں لٹا کر دین کی لاج رکھ لی۔

علامہ اقبالؒ نے اس حقیقت کو یوں بیان کیا:

آلِ نبیؐ کا کام تھا آلِ نبیؐ ہی کر گئے

یعنی جب خلافت اسلامیہ نے قرآن سے رشتہ توڑا اور حرّیت کے جام میں زہر ملا دیا تو اس وقت امام عالی مقامؓ ابرِ رحمت بن کر قبلہ کی طرف سے آئے، زمین کربلا کو اپنے خون سے سیراب کر کے اسے گل و گلزار بنا کر تشریف لے گئے۔

امامؓ عالی مقام کی اس عالی ہمتی، ثابت قدمی، جواں مردی اور استقامت کی بدولت اسلام کو استحکام نصیب ہوا۔ ورنہ خدا جانے آج اس دین محمدیؐ کی کیا صورت ہوتی۔ غریب نواز سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ، کہ برصغیر پاک و ہند میں اشاعت اسلام کا سہرا جن کے سر سجا، نوے لاکھ ہندوؤں کو جن کے دست اقدس پر قبولِ اسلام کی سعادت نصیب ہوئی، نے کیا خوب ارشاد فرمایا۔

شاہ است حسینؓ بادشاہ است حسینؓ
دین است حسینؓ دین پناہ است حسینؓ
سر داد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؓ

(شاہ بھی حسینؓ ہیں، بادشاہ بھی حسینؓ ہیں، دین بھی حسینؓ ہیں دین کی پناہ بھی حسینؓ ہیں۔ سر دے دیا لیکن یزید کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دیا سچ یہ ہے کہ کلمۂ طیبہ کی بنیاد بھی حسینؓ ہیں)۔

آپ کی اس مبنی بر حقیقت رباعی میں عظمتِ حسینؓ کی صراحت کے ساتھ ساتھ یزید کے کردار اور لادینی افکار کی طرف اشارہ موجود ہے۔ حسینؓ حق ہے اور یزید باطل ہے اور دین کی بقا کے لئے ہر دور میں شبیری کردار درکار ہے کہ مرورِ وقت کے باوجود خونِ حسینؓ کی سرخی اور زیادہ بڑھتی جا رہی ہے۔ آپؓ کی اس عظیم الشان قربانی سے اس داستانِ حرم کی تکمیل ہوئی جو سیّدنا اسماعیلؑ سے شروع ہوئی تھی اور حق و باطل، کفر و اسلام، نیکی و بدی اور خیر و شر کے درمیان تمیز ہو گئی اور حد فاصل قائم ہو گئی۔ یزیدیت مذموم ٹھہری اور یزید کا نام قیامت تک کے لئے گالی بن کر رہ گیا۔

راہروانِ حق کے لئے منزل مراد تک پہنچنے کا راستہ کربلا سے ہو کر گزرتا ہے۔ لہٰذا آج کے اس پُرفتن دور میں فکرِ یزید سے پہلو تہی کرنا اور اسوۂ شبیری کو اپنانا وقت کا تقاضہ ہے۔ امام پاکؓ کی ذات لا الٰہ کی بنیاد ہے اور لا الٰہ الا اللہ معبودانِ باطلہ سے منہ موڑ کر خالق لم یزل کی طرف توجہ کامل سے استعارہ ہے۔ اور یہی توجہ کامل انسان کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ مصائب و مشکلات میں عوارضِ بشریہ سے مبرّا و منزّہ ہو کر اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں سربسجود ہو کر مرتبۂ کمال کو پہنچ جاتا ہے یہاں تک کہ موت بھی اس کے عزم و استقلال کو دیکھ کر ششدر رہ جاتی ہے۔ جیسا کہ سیّدنا امام حسینؓ نے معرکۂ کربلا میں کر کے دکھایا کہ بدن مبارک تیروں سے چھلنی ہو چکا تھا اور گلزارِ نبوت کے نونہالوں اور دیگر احباب و مخلصین کے مقتول و مجروح اور بھوکا پیاسا ہونے کی وجہ سے دل مغموم و محزون تھا، ایسے نازک وقت میں بھی نہ کسی سے شکایت تھی نہ حکایت بلکہ بہ استقلالِ تمام اس حال میں بھی نماز ادا فرمائی۔ یہی شانِ حسینؓ ہے اور یہی پیغامِ حسینؓ ہے۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اللہ تعالیٰ ہمیں محبت اہلبیت اور ان کی اطاعت و پیروی کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آپؓ کی ذات پاک کا صدقہ اہل اسلام کو اس کربناک صورت حال سے نجات عطا فرمائے۔ آمین!

CamScanner

دیتی رہے گی درس شہادت حسینؓ کی

تنویر ظہور

حضرت امام حسینؓ کی راہِ حق میں دی ہوئی قربانی سے ہمیں جو سبق ملتا ہے اسے ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ حضرت امام حسینؓ کے روبرو یہ مقاصد تھے: امر بالمعروف، نہی عن المنکر، احیائے سنت اور اصلاح امت، اس طرح کہ مخلوق خدا پر رحم و کرم اور ان کی سیاسی واقتصادی حالت کو بہتر بنانا تاکہ متوازن معاشرہ قائم ہو

سکے۔ انہی کی قربانیوں کا ثمر ہے کہ جبر اور عوام کی عدم شرکت کے باوجود لوگوں کو اپنے نفس پر اعتماد

اور اپنی شخصیت پر یقین قائم ہے۔ انہوں نے عزت وشرافت کے حقوق سے آگاہ کیا۔ جس جگہ حریت فکر کی تحریک کو جبر کے ذریعے دبایا جارہا ہے وہ زمین کربلا ہے۔ یزید ایک شخص نہیں۔ یہ قیامت تک کے لئے ایک طاقتور باطل کا نمائندہ ہے۔ حسینؓ خون میں دوڑنے والی ایک غیرت ہے۔ ایک ادارہ ہے۔ حسینؓ جانتے تھے کہ

> حضرت امام حسینؓ کی راہِ حق میں دی ہوئی قربانی سے ہمیں جو سبق ملتا ہے اسے ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ حضرت امام حسینؓ کے روبرو یہ مقاصد تھے: امر بالمعروف، نہی عن المنکر، احیائے سنت اور اصلاح امت، اس طرح کہ مخلوق خدا پر رحم وکرم اور ان کی سیاسی واقتصادی حالت کو بہتر بنانا تاکہ متوازن معاشرہ قائم ہو سکے۔ انہی کی قربانیوں کا ثمر ہے کہ جبر اور عوام کی عدم شرکت کے باوجود لوگوں کو اپنے نفس پر اعتماد اور اپنی شخصیت پر یقین قائم ہے

مجھے شہید ہونا ہے۔ حضرت حسینؓ اس لئے گئے تاکہ حق کا علم بلند ہو۔ حسینؓ وہ مینار ہے جو اتنی بلندی پر قائم ہے کہ قیامت تک امت کے لئے روشنی دیتا رہے گا۔ حق و باطل کی جنگ ہمیشہ جاری رہی ہے اور آج بھی جاری ہے اور ہمیشہ جاری رہے گی۔

امام حسینؓ کا علم حق بلند کرنے کا مقصد ایک ایسے نظام کو ختم کرنا تھا جو باطل پر مبنی تھا۔ وہی نظام حکومت چل سکتا ہے جس کی بنیاد عدل پر ہو۔ جتنے بھی انبیاء آئے سب کے سب نظام عدل قائم کرنے آئے۔ امام حسینؓ کا مدینے سے کربلا کی طرف کوچ کرنے کا مقصد بھی عدل قائم کرنا تھا۔ انہوں نے حق وصداقت کی تاریخ رقم کی۔ اسلام نے جو نظام حکومت دیا وہ انتخابی نظام تھا جو عامتہ المسلمین کی مرضی سے طے پاتا تھا۔ حضرت صدیق اکبرؓ کا اسوۂ ہمارے سامنے ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں تم پر مقرر کیا گیا ہوں، مسلط نہیں کیا گیا۔ اس دور میں حکومت پر تنقید کی آزادی تھی۔ حضرت عمرؓ کا چادروں والا مشہور واقعہ آپ نے پڑھا ہوگا۔ اس سے اسلام کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔ بیت المال پر قوم کا حق تسلیم کیا جاتا تھا۔ یعنی اس کا استعمال قوم کی مرضی سے ہوتا تھا۔ ذاتی تصرف نہیں تھا۔ حضرت علیؓ کے دور میں مکمل جمہوریت تھی۔ حضرت علیؓ کے بعد جو دور آیا، اس میں حکومت انتخابی سے وراثتی ہوگئی۔ بیت المال کا سیاسی استعمال ہونے لگا۔ پہلے بیعت سے اقتدار ملتا ہے۔ پھر اقتدار سے بیعت ملنے لگی۔ یزید کی نامزدگی ہوئی۔ پھر سارے حکومتی وسائل عوام کی مرضی کو ہموار کرنے کے لئے استعمال کئے گئے۔ حقِ تنقید سلب کر لیا گیا۔ حجر بن عدی کا واقعہ آتا ہے کہ حضرت علیؓ کی تعریف کرنے پر سات افراد کو قتل کر دیا گیا۔ کسی کو تنقید کی اجازت نہ رہی۔ جو حکومت پر تنقید کرتا تھا اسے انتشار پسند کہا جاتا تھا۔ ہر آمر اپوزیشن پر انتشار کا الزام لگاتا ہے۔ یزید کے دور میں بیت المال کا سیاسی استعمال ہونے لگا۔ تاریخ میں آتا ہے کہ یزید کی بیعت پر راضی کرنے کے لئے ایک ایک لاکھ درہم کی رشوت دی گئی۔

خلافتِ راشدہ میں قانون کی حکمرانی تھی مگر بعد میں فردِ واحد کی حکمرانی ہوگئی۔ دورِ یزید کے اندر صرف سانحہ کربلا پیش نہیں آتا بلکہ تین واقعات آتے ہیں۔ ایک سانحہ کربلا کا، دوسرا واقعہ مدینے کے اندر یزید کے خلاف تحریک اٹھی۔ اس تحریک کو دبانے کے لئے یہاں تک نوبت آئی کہ روضۂ رسولؐ تک پتھر گرے۔ اس جنگ میں یزید نے 12 ہزار فوج بھیجی۔ اس میں 700 معززین اور دس ہزار عوام شہید کئے گئے۔ تیسرا واقعہ مکہ میں ہوا جب لوگوں نے بغاوت کی۔ اس کو کچلنے کے لئے خانہ کعبہ پر سنگ باری کی گئی۔ تاریخ میں آتا ہے کہ کعبہ کی ایک دیوار سنگ باری کی وجہ سے شکستہ ہوگئی۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہوسِ اقتدار کی خاطر خانہ کعبہ کی پرواہ نہ کی گئی۔

اسلام میں خلیفہ یا حکمران عوام کا خادم ہوتا ہے۔ رہنما اصول قرآن مجید میں درج ہیں۔ ہمارے سامنے رسول کریمؐ کے واضح احکامات ہیں۔ یزید نے ان احکامات کی خلاف ورزی کی۔ اس نے آئین اسلام کی خلاف ورزی کی۔ یزید کے اس عمل کی وجہ سے خلافت، ملوکیت میں بدل گئی۔ حضرت امام حسینؓ نے یہ درس دیا کہ اگر اللہ کے احکامات کی خلاف ورزی ہو تو تمہاری جان اس پر زیادہ قیمتی نہیں۔

حضرت امام حسینؓ نے کربلا کے میدان میں حق وصداقت کی جہاں ایک تاریخ رقم کی وہاں انہوں نے اسلام کی بقا کی ضمانت بھی اپنے لہو سے دی۔ ہم نے جس نظریے کے تحت ملک حاصل کیا، اس نظریے کو زندہ کریں، نوجوان نسل کو اس نظریے سے اچھی طرح آگاہ کریں اور اس کی حقانیت کا یقین دلائیں تو یقیناً ہم کامیاب ہو سکتے ہیں۔ ان اشعار پر بات ختم کرتا ہوں۔

دیتی رہے گی درس شہادت حسینؓ کی
آزادیِ حیات کا یہ سرمدی اصول
کٹ جائے چڑھ کے سر ترا نیزے کی نوک پر
لیکن یزیدیوں کی اطاعت نہ کر قبول

امام حسینؓ سب کے ہیں

اسرار بخاری

نواسہ رسولؐ جگر گوشہ بتولؓ سیدنا حسینؓ بن علیؓ ایسی شخصیت ہیں کہ کسی بھی مسلک سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کیلئے کسی بھی لحاظ سے متنازعہ نہیں بلکہ محبت وعقیدت کا مرکز ہیں اور کیوں نہ ہوں جب نبی اکرمؐ ان کے بارے میں فرمائیں ''میںؐ حسینؓ سے ہوں حسینؓ مجھؐ سے ہیں' جس نے حسینؓ سے محبت کی اس نے مجھؐ سے محبت کی۔

حضرت حسینؓ نجیب الطرفین ہاشمی ہیں۔ آپ کا نسب والد (حضرت علیؓ) کی طرف سے تیسری اور والدہ فاطمہؓ بنت محمدؐ کی طرف سے دوسری پشت سے آپؐ سے جا ملتا ہے اور انہیں یہ بھی انفرادیت حاصل ہے کہ انؓ کی والدہ محترمہ، دادی محترمہ اور پردادی محترمہ تینوں ہم نام تھیں یعنی تینوں کا نام فاطمہ تھا۔ والدہ محترمہ کا نام فاطمہؓ بنت محمدؐ، دادی کا نام فاطمہؓ بنت اسد اور پردادی کا نام فاطمہ بنت عمرو تھا۔ آپؓ کے دو بھائی اور دو بہنیں تھیں سب سے بڑی بہن کا نام اُم کلثومؓ تھا اس کے بعد دوسرے نمبر پر بھائی حسنؓ بن علیؓ تھے پھر آپؓ، اس کے بعد ایک بہن حضرت زینبؓ اور بھائی محسن بن علیؓ تھے۔ حضرت فاطمہؓ بنت محمدؐ نے بڑی بیٹی کا نام اپنی بڑی بہن حضرت اُم کلثوم کے نام پر رکھا اور چھوٹی بیٹی کا نام سب سے بڑی بہن حضرت زینبؓ کے نام پر رکھا تھا۔ حضرت اُم کلثومؓ کے حضرت فاطمہؓ بنت محمدؐ کی سب سے بڑی بیٹی ہونے کا ثبوت مُلا باقر مجلسی کی کتاب جلاء

العیون کے صفحات 217-218 کی اس تحریر سے ملتا ہے،

''یہ سن کر جناب فاطمہؓ کو نہایت صدمہ ہوا اور متفکر و متردد ہوگئیں یہاں تک کہ رات ہوگئی، جب رات ہوئی امام حسنؓ کو دائیں اور امام حسینؓ کو بائیں کاندھے پر اٹھایا اور بایاں ہاتھ اُم کلثوم کا اپنے ہاتھ میں لیا اور اپنے پدر بزرگوار کے گھر تشریف لے گئیں...... واپسی پر جناب رسول اللہؐ نے امام حسنؓ کو اور فاطمہؓ نے امام حسینؓ کو اٹھایا اور اُم کلثومؓ کا ہاتھ پکڑ کر گھر سے مسجد میں تشریف لائے'' اس روایت کے مطابق حضرت اُم کلثومؓ دونوں بھائیوں سے بڑی تھیں تب ہی پیدل چلا کر لے جایا گیا۔ حضرت زینبؓ اور حضرت محسنؓ کی ولادت بعد ازاں ہوئی۔

حضرت حسنؓ کی ولادت کے موقع پر دایہ گیری کا فریضہ حضرت جعفر طیارؓ کی زوجہ سیدہ اسمٰؓ بنت عمیس نے انجام دیا۔ طبقات ابن سعد، ابن ماجہ، مشکٰوۃ اور دیگر کتب کے مطابق سیدنا حسینؓ بن علیؓ کی ولادت کو حضرت اُم الفضل لبابہ بنت الحارث کے خواب کے مصداق قرار دیا ہے جس کی تعبیر خود حضور نبی اکرمؐ سے منسوب ان الفاظ میں کی گئی ''یہ خواب بہت مبارک ہے سیدہ فاطمہؓ کے لڑکا ہو گا جو تیری گود میں پرورش پائے گا۔''

حضرت اُم الفضلؓ نے خواب دیکھا اور حضور نبی اکرمؐ سے تعبیر دریافت کی کہ ''میں نے رات کو ایک عجیب و غریب خواب دیکھا آپ کے جسم اطہر کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں ڈال دیا گیا'' چنانچہ جب سیدنا حسینؓ کی ولادت ہوئی تو حضرت اُم الفضلؓ نے اپنے بیٹے قثم کے ساتھ آپ کو بھی دودھ پلایا وہ رشتہ میں حضور نبی اکرمؐ کی چچی اور حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کی زوجہ محترمہ تھیں۔

آپ کو حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے بے پناہ محبت تھی۔ صحیح بخاری میں ہے آپؐ نے فرمایا ''یہ دونوں تو دنیا میں میرے پھول ہیں'' آپؐ ان دونوں سے بے حد شفقت و محبت کا اظہار فرماتے، ان سے لاڈ فرماتے اور انہیں اپنے کندھوں پر اٹھا لیتے۔ حضرت فاطمہؓ کا مکان حضرت اُم المومنین عائشہؓ بنت صدیق اکبرؓ سے متصل تھا۔ آپؐ تقریباً روزانہ نواسوں کو دیکھنے تشریف لے جاتے۔ طبرانی کی جلد 3 صفحہ 116 پر رقم ہے۔

''ایک مرتبہ آپؐ حضرت فاطمہؓ کے مکان کے قریب سے گزر رہے تھے اندر سے حضرت حسینؓ کے رونے کی آواز آئی۔ آپؐ فوراً پلٹے اور حضرت فاطمہؓ سے فرمایا ''کیا تو نہیں جانتی کہ اس کے رونے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے'' پھر آپؐ نے آگے بڑھ کر انہیں گود میں اٹھایا، پیار کیا اور اس وقت تک گھر سے نہ گئے جب تک وہ چپ ہو کر مسکرانے نہ لگے۔''

حضرت حسینؓ طویل قیام و سجدے کرنیوالے تھے ایک رکعت میں پوری سورۃ البقرہ پڑھ لیتے۔ نماز سے شغف کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ میدان کربلا کے جنگی ماحول میں بھی نماز قضا نہیں کی۔ حسینؓ سے محبت محض آنسو بہانا نہیں حسینؓ جیسی زندگی گزارنا ہے جو بے شک اسوۂ رسالتؐ کا نورانی عکس تھا۔

حضرت حسنؓ کی ولادت کے موقع پر دایہ گیری کا فریضہ حضرت جعفر طیارؓ کی زوجہ سیدہ اسمٰؓ بنت عمیس نے انجام دیا۔ طبقات ابن سعد، ابن ماجہ، مشکٰوۃ اور دیگر کتب کے مطابق سیدنا حسینؓ بن علیؓ کی ولادت کو حضرت اُم الفضل لبابہ بنت الحارث کے خواب کے مصداق قرار دیا ہے جس کی تعبیر خود حضور نبی اکرمؐ سے منسوب ان الفاظ میں کی گئی ''یہ خواب بہت مبارک ہے سیدہ فاطمہؓ کے لڑکا ہوگا جو تیری گود میں پرورش پائے گا۔''

CamScanner

سلام بحضور امام عالی مقامؓ

اُس پہ راضی ہوا خدائے حسینؓ
کربلا میں تھی جو رضائے حسینؓ
آ گیا پھر سے دور باطل کا
کوئی بن کر ہمیں دکھائے حسینؓ
حُر نے یہ سوچ کر بغاوت کی
آج مجھ کو بھی آزمائے حسینؓ
چل پڑے اُونچا کر کے نیزے پر
وہ جو کہتے تھے سر جھکائے حسینؓ
ایک جابر کی ہار کا پرچم
خوں میں ڈوبی ہوئی قبائے حسینؓ
ہاتھ سے پیٹتے ہیں سر کو
اور نکلتا ہے منہ سے ہائے حسینؓ
ایک اِنکار جس پہ لاکھوں سلام
ایک حسرت کہ مان جائے حسینؓ

مسعود صدیقی

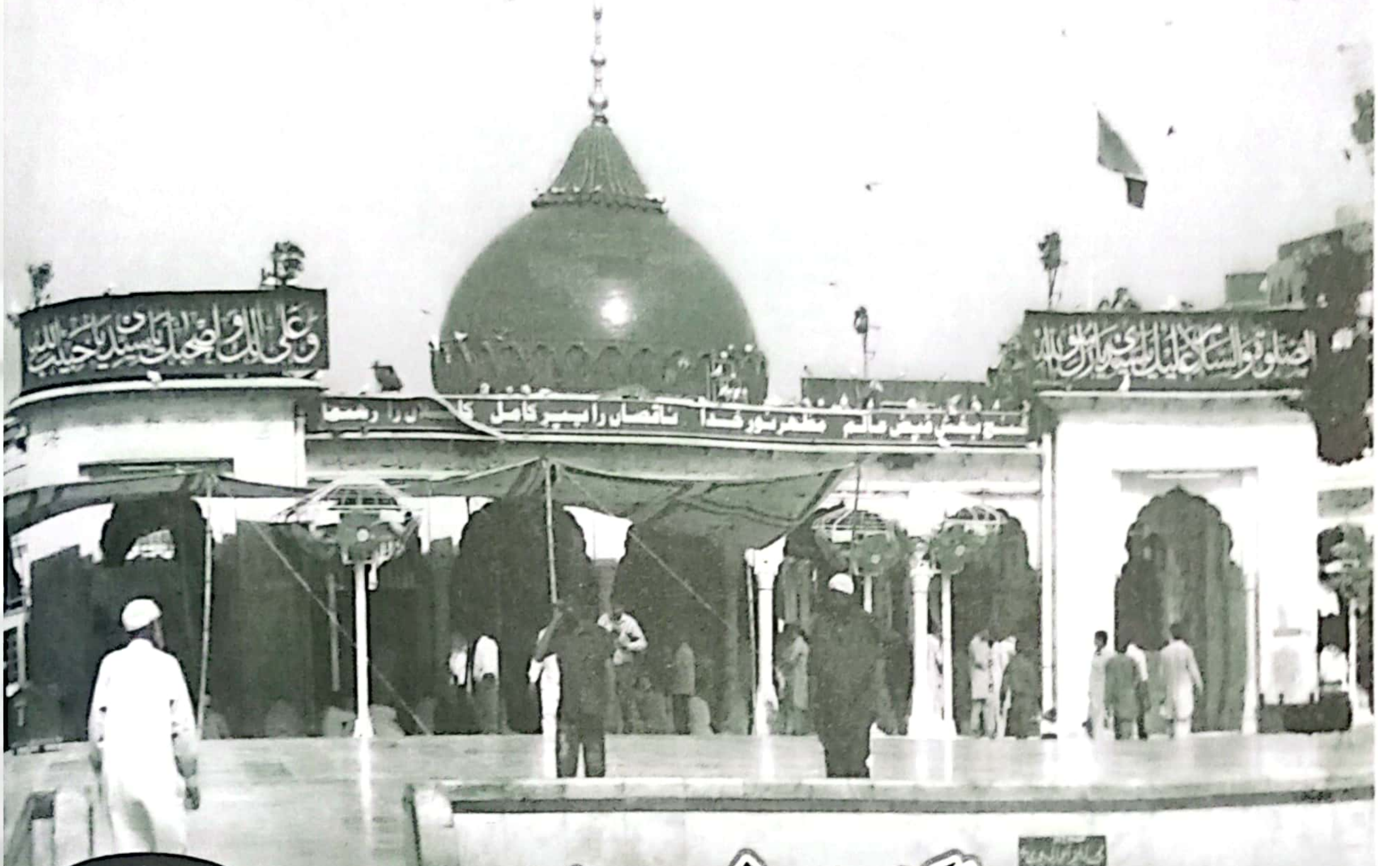

علامہ پیر محمد تبسم بشیر اویسی

گنج بخشؒ فیض عالم مظہر نور خدا

آپؒ کا اسم گرامی "علی" ہے ابوالحسن آپؒ کی کنیت ہے اور داتا گنج بخشؒ آپ کا مشہور ترین لقب ہے۔ حتیٰ کہ اکثر لوگ آپؒ کو آپکے نام "علی" کی بجائے آپ کے لقب "داتا گنج بخشؒ" سے ہی جانتے ہیں۔ آپؒ افغانستان کے مشہور شہر غزنی میں 400ھ کے لگ بھگ میں پیدا ہوئے۔ آپؒ کا شجرہ نسب اس طرح ہے: سید ابوالحسن علی ہجویری بن سید عثمان بن سید علی بن سید عبدالرحمٰن بن سید عبداللہ (سید شاہ شجاع) بن سید ابوالحسن علی بن سید حسن اصغر بن سید زید بن سید امام حسن مجتبیٰ بن امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فی الجنہ ورحمہم اللہ اجمعین۔ آپؒ کی ولادت ننھیالی گھر غزنی کے محلہ ہجویر میں ہوئی جس وجہ سے آپ کو ہجویری کہا جاتا ہے۔

آپؒ کے والد حضرت سید عثمان رحمۃ اللہ علیہ جید عالم، عظیم فقیہ اور بہت بڑے عابد وزاہد تھے۔ آپؒ کی والدہ بھی بہت عابدہ، زاہدہ اور پارسا خاتون تھیں۔ آپؒ کے ماموں زہد وتقویٰ اور علم وفضل کی وجہ سے ''تاج العلماء'' کے لقب سے مشہور تھے۔ آج بھی آپؒ کے ماموں حضرت تاج العلماء کا مزار اقدس غزنی میں زیارت گاہ خاص وعام ہے۔

آپؒ کا گھر علم وفضل اور روحانیت کا گہوارہ تھا اور غزنی شہر بھی ان دنوں علوم ومعارف کا مرکز تھا یہ سلطان محمود غزنوی کا دور تھا جو علم دوست بادشاہ تھے اور غزنی شہر میں علماء اور مدارس بھی بکثرت تھے بلکہ سلطان محمود غزنوی نے خود بھی غزنی شہر میں ایک عظیم الشان مدرسہ اور ایک عظیم مسجد تعمیر کی تھی۔ چنانچہ آپؒ کے والدین اور ماموں حضرت تاج العلماء نے آپؒ کی تعلیم وتربیت پر بہت توجہ دی چار سال کی عمر میں آپؒ نے قرآن مجید سے تعلیم کا سلسلہ شروع کیا۔ اپنے والدین سے تعلیم وتربیت حاصل کرنے کے

علاوہ نہ صرف غزنی شہر بلکہ تاشقند، سمرقند، بخارا، فرغانہ، ماوراء النہر، ترکستان، خراسان، توس، نیشا پور، مہنہ، قہستان، مرو، سرخس، فارس، کرمان، بیت المقدس، شام و عراق، آذر بائیجان، طبرستان، خورستان، سوس، ہندوستان اور دیگر متعدد ممالک کے سفر کئے اور ممتاز علماء وصوفیاء سے اکتسابِ علم وفیض کیا۔"کشف المحجوب" میں فرماتے ہیں میں نے خراسان میں تین سو علماء سے ملاقاتیں کیں۔ آپؒ نے اپنے کثیر اساتذہ میں سے خصوصی طور پر شیخ ابوالعباس احمد اشقانی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ ابوالقاسم علی گورگانی رحمۃ اللہ علیہ کا بڑے ادب وعقیدت کے ساتھ تذکرہ کیا ہے۔آپؒ نے تمام مروجہ علوم معقول و منقول میں کمال حاصل کیا۔ وعظ و ارشاد، درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے علاوہ مناظرہ میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا آپؒ مسائل فقہیہ میں امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے۔"کشف المحجوب" میں آپؒ نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اجل صوفیا میں بھی کیا ہے۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو امام الائمہ، شرف فقہاء اور دیگر عظیم الشان القاب سے ملقب کیا ہے اور بڑے ادب سے آپ کا تذکرہ کیا ہے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ "کشف المحجوب" میں فرماتے ہیں،"میں علی بن عثمان ملک شام میں مؤذنِ رسولؐ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی قبر پر سو رہا تھا خواب میں دیکھا کہ حضرت محمدؐ باب بنوشیبہ سے (حرم شریف میں) تشریف لائے اور ایک بوڑھے شخص کو آغوش میں لیا ہوا ہے جیسے بچوں کو آغوش میں لیا جاتا ہے۔تو میں نے دوڑ کر آپؐ کی قدم بوسی کی۔ میں حیران تھا کہ یہ بوڑھا شخص کون ہے تو رسول اللہؐ نے اعجازاً میری اس کیفیت اور خیال سے مطلع ہوکر فرمایا یہ تیرا اور تیرے اہل ملک کا امام ابوحنیفہ ہے"۔ پھر آپ اس خواب کی تعبیر یوں بیان فرماتے ہیں:"اس خواب سے مجھے اور میرے اہل شہر کو بڑی امید بندھی مجھ پر ثابت ہوگیا کہ وہ ان افراد میں سے ایک ہیں جو اوصاف طبع سے فانی، احکام شرع سے باقی اور ان سے قائم ہیں۔ حقیقتاً انہیں اوصاف طبع سے نکال کر لے جانے والے پیغمبرؐ ہیں۔ اگر وہ خود اوصاف طبع رکھتے تو باقی صفت ہوتے۔ باقی صفت، خطا کرنے والا ہوتا ہے یا حق کو پہنچنے والا۔ چونکہ انہیں اوصاف طبع سے نکال کر لے جانے والے پیغمبرؐ ہیں لہٰذا وہ فانی صفت اور حضورؐ کی صفت بقاء سے باقی و قائم ہیں۔ جب پیغمبر سے خطا نہیں ہوسکتی تو اس شخص سے بھی جو حضورؐ کے ساتھ قائم ہے خطا کا ہونا غیر ممکن ہے اور یہ ایک نکتہ ہے"۔

آپؒ نے سلوک کی منازل کی تکمیل کے لیے اس دور کے سلسلہ جنیدیہ کے جلیل القدر روحانی پیشواء اور عالم دین حضرت شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ارشاد فرمائی۔ جو ملک شام میں دمشق اور بانیار کے درمیان بیت الجن نامی ایک بستی میں رہتے تھے اور جہاں پر اب ان کا مزار ہے۔

حضرت داتا رحمۃ اللہ علیہ خود حنفی المذہب تھے لیکن طریقت میں آپ نے حنبلی المذہب شیخ ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت کی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اکابر اولیاء امت کے قلوب فقہی اختلافات کے باوجود تعصبات سے پاک تھے۔

آپ کا سلسلہ طریقت اس طرح ہے۔ داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ، مرید شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی کے، وہ مرید شیخ ابوالحسن علی حضرمی رحمۃ اللہ علیہ کے، وہ مرید شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے، وہ مرید شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے، وہ مرید شیخ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے، وہ مرید شیخ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے، وہ مرید شیخ داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کے، وہ مرید حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ کے، وہ مرید حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے، وہ مرید باب مدینۃ العلم سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے اور وہ تربیت یافتہ حبیب خدا سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰؐ کے۔

حضرت شیخ ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ صاحب کشف وکرامات جلیل القدر ولی اللہ، متبحر عالم، عارف اکمل، شریعت مطہرہ کے سخت پابند اور زہد وتقویٰ میں یگانہ روزگار تھے۔ آپ سالکین کو کم کھانے کم خوابی اور کم بولنے کی تلقین فرماتے تھے۔ آپ نے جبل لکام میں ساٹھ سال طویل چلہ کشی فرمائی۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے پیرو مرشد کے وصال کے وقت آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا۔ آپ نے فرمایا:"بیٹا! میں تمہیں عقیدے کا ایک مسئلہ بتاتا ہوں اگر تم نے اس پر عمل کرلیا تو ہر قسم کے رنج وتکلیف سے بچ جاؤ گے۔ یاد رکھو کہ ہر جگہ اور ہر حال اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد تیرے لئے مناسب ہے کہ نہ تو اس کے کسی فعل پر انگشت نمائی کرے اور نہ ہی دل میں اس پر معترض ہو اس کے علاوہ آپ نے اور کچھ نہ

CamScanner

فرمایااور جاں بحق تسلیم ہوگئے۔'' یہ 455ھ تھا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت داتا رحمۃ اللہ علیہ لاہور قیام کے دوران کچھ عرصہ (تقریباً 2 سال) کے لئے شام اپنے پیرومرشد کے پاس چلے گئے تھے اور 455ھ میں ان کے وصال کے بعد پھر لاہور واپس آ گئے تھے۔

آپ غزنی میں لوگوں کی تعلیم و تربیت اور عبادت و ریاضت میں مشغول تھے کہ خواب میں پیرو مرشد حضرت شیخ ختلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اے فرزند تمہیں لاہور کی قطبیت پر مامور کیا جاتا ہے اٹھو اور لاہور جاؤ۔ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا میرے پیر بھائی شیخ حسین زنجانی قطبیت لاہور پر مامور ہیں ان کی موجودگی میں اس عاجز کی کیا ضرورت ہے۔ ارشاد ہوا ہم سے حکمت دریافت نہ کرو اور بلاتوقف لاہور روانہ ہو جاؤ۔ چنانچہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ 431ھ میں لاہور تشریف لائے اس وقت لاہور کا نام لہانور تھا۔ یہ سلطان محمود غزنوی کے بیٹے سلطان مسعود غزنوی کا دور تھا۔ پنجاب اگرچہ غزنی حکومت کا جز تھا لیکن لاہور پر اس وقت ہندو مذہب اور ہندو تہذیب چھائی ہوئی تھی۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ میں طویل سفر کے بعد جب لاہور پہنچا تو رات کا وقت تھا اور لاہور کے دروازے بند ہو چکے تھے۔ علی الصبح میں لاہور میں داخل ہوا تو شیخ زنجانی کے جنازہ کا بڑا انبوہ دیکھا اور شیخ زنجانی کی وصیت کے مطابق میں نے نماز جنازہ کی امامت کی۔ یاد رہے کہ بعض تبصرہ نگاروں نے آپؒ اور شیخ زنجانی رحمۃ اللہ علیہ کے پیر بھائی ہونے کی نفی کی ہے لیکن یہ درست نہیں کیونکہ

ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کتاب فوائد الفواد شریف میں ان دونوں بزرگوں کا پیر بھائی ہونا صریحاً مذکور ہے۔

جہاں آج آپ کا مزار اقدس ہے اس وقت یہ جگہ دریائے راوی کے کنارے پر تھی اس جگہ آپ قیام پذیر ہوئے اور سادہ سی مسجد و مدرسہ پر مشتمل خانقاہ کی بنیاد رکھی اور یہی خانقاہ بعد میں برصغیر کی تمام خانقاہوں، مدارس اسلامیہ اور اسلام کی اشاعت و تعلیم و تربیت کی بنیاد ثابت ہوئی۔ حضرت داتا رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد کا رخ سیدھا مغرب کی بجائے مائل بجنوب رکھا تو لاہور کے علماء معترض ہوئے تو آپؒ نے تمام علماء لاہور کو کھانے پر دعوت دی نماز کی امامت خود فرمائی اور بعدازاں فرمایا بعض لوگوں کو مسجد کی سمت قبلہ پر کچھ شک ہے۔ میری درخواست ہے کہ ایک ساعت کے لیے آنکھیں بند کر کے مراقبہ کریں چنانچہ آپؒ نے ایسی توجہ فرمائی کہ تمام نمازیوں کے لیے تمام حجابات اٹھ گئے اور سب نے دیکھا کہ خانہ کعبہ سامنے ہے اور مسجد مبارک بالکل صحیح سمت پر تعمیر کی گئی ہے۔

رائے راجو ایک ہندو اور انتہائی سخت جادوگر [illegible] اسے جو دودھ کا نذرانہ نہ دیتا اسکے جانور پر ایسا جادو کر[illegible] کہ اس جانور سے دودھ کی بجائے خون نکلتا تھا۔ ایک بوڑھی عورت رائے راجو کے پاس دودھ کا نذرانہ [illegible] جارہی تھی کہ آپؒ نے اسے آواز دی کہ کچھ دودھ قیمت لے کر مجھے دے دو تو اس بوڑھی عورت نے رائے راج[illegible] کے جادو کا عذر کر کے دودھ بیچنے سے انکار کر دیا اس پر حضرت داتا رحمۃ اللہ علیہ نے مسکرا کر فرمایا اگر تم دودھ دے دو تو تمہارے جانوروں کا دودھ بڑھ جائے [illegible] چنانچہ اس خاتون نے بادل نخواستہ دودھ پیش کر دی[illegible] جب گھر گئی تو اس کی حیرت کی حد نہ رہی کہ جانوروں [illegible] دودھ اس قدر زیادہ ہو گیا کہ تمام برتن دودھ سے بھ[illegible] گئے تو تھنوں سے دودھ ختم نہیں ہو رہا تھا جب یہ خ[illegible] پھیلی تو اگلے روز گرد و نواح کے تمام لوگ دودھ کا نذران[illegible] لے کر حاضر ہونے لگے تو اس طرح درویشوں او[illegible] مسافروں کے لیے لنگر کا سلسلہ شروع ہوا جو کہ آ[illegible] تک جاری ہے۔ رائے راجو کا دودھ کا نذرانہ بند ہوا [illegible] اسے بڑا طیش آیا اور وہ حضرت داتا رحمۃ اللہ علیہ [illegible] مقابلہ کرنے کے لیے سامنے آیا اور آپؒ کو مقابلے [illegible]

لے للکارتے ہوئے کہا کہ تمہارے پاس کوئی کمال ہے تو دکھاؤ۔ آپؒ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کا عاجز بندہ ہوں اگر تمہارے پاس کوئی کمال ہو تو دکھاؤ۔ رائے راجو نے جواب دیا تو لو دیکھو میرا کرشمہ یہ کہا اور جادو کے زور پر ہوا میں اڑنے لگا۔ حضرت داتا رحمۃ اللہ علیہ مسکرائے اور اپنے جوتے ہوا میں پھینک دیئے اور وہ جوتے رائے راجو کے ساتھ ہوا میں اڑنے لگے۔

حضرت داتا رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کرامت دیکھ کر رائے راجو نے توبہ کر کے اسلام قبول کیا۔ چنانچہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی شاندار روحانی تربیت کی اور اسے شیخ ہندی کا خطاب دیا شیخ ہندی کی اولاد اس وقت سے لے کر آج تک خانقاہ کی خدمت کے فرائض انجام دیتی آرہی ہے۔

آپؒ کا مزار اقدس مرکزِ تجلیات و پناہ گاہِ خلقِ خدا ہے اور یہ بات اہلِ علم پر واضح ہے کہ موت سے روح ختم نہیں ہوتی بلکہ جسم سے آزاد ہونے کی وجہ سے پہلے سے زیادہ طاقتور وفعال ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ولایت جو کہ اللہ تعالیٰ کے قرب و دوستی کا نام ہے وفات سے ختم نہیں ہوتی بلکہ اصحاب روحانیت وفات کے بعد دنیاوی زندگی سے بڑھ کر فیض رسانی کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس حقیقت پر ایک معتبر گواہی سلسلہ چشتیہ کے مورثِ اعلیٰ خواجہ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کی ہے جنہوں نے داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر کسبِ فیض کا چلہ مکمل کرنے کے بعد فرمایا:

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں راہ رہنما

جبکہ مفکر اسلام شاعر مشرق علامہ محمد اقبالؒ فرماتے ہیں:

سید ہجویر مخدوم امم مرقد او پیر سنجر را حرم
بندہائے کوہسار آساں گسیخت در زمین ہند تخم سجدہ ریخت
عہد فاروق از جمالش تازہ شد حق ز حرف او بلند آوازہ شد
پاسبان عزت ام الکتاب از نگاہش خانہ باطل خراب
خاک پنجاب از دم او زندہ گشت صبح ما از مہر او تابندہ گشت
عاشق و ہم قاصد طیار عشق از جبینش آشکار اسرار عشق

نیز برصغیر کی مسلمہ علمی فکری و روحانی شخصیت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آپ کے مزار اقدس پر حاضری دی اور اکتسابِ فیض کیا اور پھر فرمایا: ''مزار اقدس سے انوار و تجلیات کی ایک ایسی بارش برس رہی ہے جس سے تمام بلادِ ہند مستفیض ہو رہے ہیں۔'' علماء و صلحاء، بادشاہوں و حکمرانوں اور تمام شعبہ زندگی کے عوام و خواص کی شب روز حاضری آپؒ کے دربارِ عالیہ پر ہوتی ہے۔ اور روحانی فیوض و برکات کے ساتھ آپ کا لنگر روز بروز وسیع سے وسیع تر ہو رہا ہے۔ دنیا کے کسی بادشاہ کے دروازے پر اس قدر مہمان نوازی نہیں جو مہمان نوازی آپؒ کے مزار اقدس پر شب و روز جاری ہے۔ روزانہ ہزاروں کی تعداد میں غریب و سفید پوش لوگ نہ صرف خود لنگر کھاتے ہیں بلکہ اپنے اہل و عیال کے لیے گھر میں بھی لے جاتے ہیں۔

آپؒ نے متعدد کتب تصنیف فرمائیں لیکن ''کشف المحجوب'' کو بڑی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی یہ کتاب فارسی زبان میں تصوف اسلامی پر پہلی اور اپنے موضوع پر سب کتب پر فائق تصنیف ہے۔ یہ کتاب شریعت اور سلوک کے طالب علم کے لیے مرشد کا درجہ رکھتی ہے۔ اسلامی عقائد و اعمال، اخلاق ظاہرہ و باطنہ اور علم تصوف کی تشریح اور اکابرین اسلام و بزرگانِ دین کے تعارف اور گمراہ، بے علم و لاعلم صوفیوں کی نشاندہی اور ان سے احتراز کرنے کی تلقین پر مشتمل ایک شاہکار تصنیف ہے۔ اس گمراہی و فرقہ پرستی کے دور میں راہ حق کے طالبین کو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے اور اس مبارک کتاب کو نصابوں میں شامل کرنا چاہئے۔

حضرت عیسیٰؑ کا یومِ ولادت اور کرسمس

حسن محمود

25 دسمبر کو دنیا بھر کے مسیحی حضرت عیسیٰؑ جنھیں قرآن حکیم نے مسیح بھی کہا ہے، کا یوم ولادت مناتے ہیں۔ کرسمس منانے کی باقاعدہ ابتدا چوتھی صدی عیسوی میں ہوئی جب رومی سلطنت نے باقاعدہ مسیحیت کو سرکاری دین کے طور پر اختیار کر لیا۔ یہیں سے عالم مغرب میں عیسائیت یا مسیحیت کا پیغام پہنچا۔ یورپی اقوام امریکہ میں داخل ہوئیں تو ان کے ذریعے سے وہاں بھی عیسائیت جا پہنچی۔ مسیحی مذہبی راہنماؤں میں اگرچہ کرسمس کی تاریخ پر شدید اختلافات رہے ہیں تاہم موجودہ دنیا میں 25 دسمبر کو کرسمس کے طور پر عملاً قبول کر لیا گیا ہے۔

جہاں تک حضرت عیسیٰ ابن مریم کے روز ولادت کے تعین کا تعلق ہے اس پر تو شاید آئندہ بھی محققین ایک رائے اختیار نہ کر سکیں لیکن حضرت عیسیٰ کی معجزانہ ولادت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

ان کی استثنائی ولادت ہی سے ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ ایک غیر معمولی انسان ہیں اور انھوں نے خصوصی کردار ادا کرنے کے لیے عرصہ ہستی میں قدم رکھا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی والدہ ماجدہ جناب مریمؑ بھی ایک غیر معمولی خاتون تھیں۔ دونوں نے معنویت و روحانیت کے نئے آفاق انسانیت کے سامنے کھولے۔ دونوں نے انسانی عظمتوں اور رفعتوں کے نئے پہلوؤں سے بشریت کو آشنا کیا۔ دونوں نے عشق الٰہی اور اللہ کی عبادت کا پیغام دیا۔ انسانیت کو دونوں عظیم ہستیوں پر ہمیشہ فخر رہے گا اور عظیم روحیں ان کی منزلتوں کا ہمیشہ اعتراف کرتی رہیں گی۔

اسلام ہی وہ واحد عالمی دین ہے جس نے باقاعدہ حضرت مسیحؑ اور جناب مریمؑ کے مقام رفعت اور پاکبازی کا اعتراف کیا اور ان کی صداقت اور پاکیزگی پر ایمان کو اپنی دعوت کا حصہ قرار دیا۔ اسلام کے نزدیک یہ امر اتنا اہم ہے کہ جو اس ایمان کا حامل نہ ہو اسے مسلمان ہی تسلیم نہیں کیا جاتا۔ مسلمان ہونے کے لیے حضرت عیسیٰؑ کی نبوت اور آپ کی والدہ گرامی کی پاکبازی و خدا پرستی کا اعتراف و اقرار ضروری ہے۔

ان دونوں ہستیوں کے مقام رفیع کا ذکر قرآن حکیم کی ابتدائی طور پر نازل ہونے والی آیات میں موجود ہے۔ یہی وہ آیات ہیں جن کی

تلاوت حضرت جعفر طیارؓ نے ہجرت حبشہ کے دوران میں بادشاہ حبشہ نجاشی کے سامنے کی تھی تاکہ قریش کے مشرکین کے وفد کے الزامات کی حقیقت کا پردہ چاک کر سکیں۔ انہی آیات کی تلاوت نے نجاشی کے دل کو مسخر کر لیا اور اس کے تمام درباری بھی مبہوت ہو کر رہ گئے۔ یہیں سے دو عالمی ادیان کی ایک دوسرے سے قربت کا آغاز ہوا۔ اس سے یہ امر ظاہر ہو گیا کہ حضرت محمد ابن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو دین لے کر آئے ہیں وہ وہی ہے جس کے نقیب ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ رہے ہیں۔ قرآن حکیم کی بعض آیات میں مسیحیوں کو مسلمانوں سے نسبتاً قریب قرار دیا گیا ہے اور ان میں موجود خدا پرستوں اور عبادت گذاروں کی تعریف کی گئی ہے۔

مسلمانوں اور مسیحیوں کے مابین مشترکات دیگر تمام ادیان کی نسبت زیادہ ہیں۔ ان میں سے خود حضرت عیسیٰؑ بھی ہیں۔ اگر ان کی ولادت مسیحیوں کے نزدیک خوشی و انبساط کا عنوان ہے تو مسلمانوں کے نزدیک بھی ایسا ہی ہے۔ دنیا کے مختلف ممالک میں اس موقع پر مسلمان بھی بعض تقاریب کا اہتمام کرتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ دونوں ادیان کے راہنما اس موقع پر ملنے جلنے اور مشترکہ تقریبات کا زیادہ اہتمام کریں۔ جس ملک اور علاقے میں جس دین کے ماننے والوں کی تعداد زیادہ ہے انہی کو اس سلسلے میں پہل کرنا چاہیئے۔

حضرت عیسیٰؑ کی انسان دوستی، زہد و عبادت، سادہ زیستی، ایثار و قربانی اور والدہ کے احترام پر مبنی زندگی ساری انسانیت کے لئے سرمایے اور نمونہ عمل کی حیثیت رکھتی ہے۔

کرسمس کے موقع پر دنیا بھر میں جہاں جشن ولادت منایا جاتا ہے وہاں عیسائی حضرات اپنے گھروں اور دیگر عمارات میں کرسمس ٹری لگاتے ہیں جسے رنگ برنگے قمقموں اور آرائشی چیزوں سے سجایا جاتا ہے۔ اس تہوار پر ملنے والے تحائف بھی کرسمس ٹری کے نیچے رکھے جاتے ہیں اور انہیں کرسمس کے موقع پر خاندان کے افراد مل کر کھولتے ہیں۔

کرسمس ٹری کے لیے عموماً صنوبر کا انتخاب کیا جاتا ہے کیونکہ یہ ہر موسم میں سرسبز رہنے والا درخت ہے۔ صرف امریکہ میں کرسمس ٹری کے 12 ہزار سے زیادہ فارم موجود ہیں اور اس شعبے سے ایک لاکھ سے زیادہ افراد وابستہ ہیں۔ یہ امریکہ میں 50 کروڑ ڈالر سالانہ سے زیادہ کا کاروبار ہے۔

کرسمس ٹری لگانے کی روایت پانچ سو سال سے زیادہ پرانی ہے۔ تاریخی حقائق کے مطابق پہلا کرسمس ٹری لٹویا کے شہر ریگا میں 1510ء میں لگایا گیا تھا۔ مؤرخوں کا کہنا ہے کہ صدابہار درختوں سے سجاوٹ کا کام لینے کی روایت بہت پرانی ہے اور حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے قبل بھی لوگ اہم موقعوں پر اپنے گھروں کو صدابہار درختوں سے سجاتے تھے۔

کرسمس ٹری امریکہ میں پہلی بار 1850ء میں مارکیٹ میں فروخت کے لیے پیش کیا گیا۔ اس سے قبل لوگ جنگلوں میں جا کر اپنی پسند کا درخت کاٹ کر لاتے تھے۔ اب بھی لاکھوں افراد یہ روایت برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ امریکہ میں اپنی پسند کا درخت چننے اور اسے کاٹ کر لے جانے کی سہولت فراہم کرنے والے فارموں کی تعداد پانچ ہزار سے زیادہ ہے۔

برقی قمقموں سے کرسمس ٹری کی سجاوٹ کا آغاز 1882ء میں ہوا۔ تھامس ایڈی سن کمپنی کے ایڈورڈ جانسن نے اپنے کرسمس ٹری کو سجانے کے لیے پہلی بار سرخ، سفید اور نیلے رنگ کے بلب استعمال کیے۔ جس کی بڑے پیمانے پر تشہیر ہوئی اور لوگوں میں اس کی دلچسپی میں اضافہ ہوا۔ اس کے صرف تین سال بعد 1885ء میں امریکی صدر کلیولینڈ نے وائٹ ہاؤس میں کرسمس ٹری کی سجاوٹ کے لیے برقی بلب استعمال کیے اور پھر آنے والے برسوں میں کرسمس ٹری کو خوبصورت رنگین برقی قمقموں سے آراستہ کرنے کا رواج بڑھنے لگا اور 1890ء میں کرسمس ٹری کی سجاوٹ کے لیے خصوصی طور پر تیار کیے جانے والے آرائشی بلب بڑے پیمانے پر مارکیٹ میں فروخت ہونے لگے۔ تاریخ میں اس سے قبل 17 ویں صدی عیسوی کے وسط میں چھوٹی چھوٹی موم بتیوں سے کرسمس ٹری کو سجانے کا ذکر ملتا ہے مگر ایسے واقعات بہت کم ہیں۔

اقبالؒ ...... شاعرِ فردا!

اقبالؒ ہی وہ شاعرِ فردا ہے باخدا
جس کے شعور و فکر نے بخشا ہے ولولہ

اقبالؒ اپنے عہد پہ حاوی تھا بالیقین
یہ اعتراف کرتے ہیں نقاد برملا

ڈھونڈو تو اُس کا کوئی بھی ہمسر نہ مل سکے
پوری صدی میں آ نہ سکا اس سا دوسرا

سوئی ہوئی تھی قوم جو غفلت کی نیند میں
اپنے سخن سے سحر سے اس کو جگا دیا

کیسے بھلا سکے گا کبھی کوئی وہ سبق!
اس نے خودی کے نام سے جو قوم کو دیا

اقبالؒ شاعروں کے لئے تھا نوید نو
بزمِ سخن میں تھا وہ نمایاں سخن سرا

توصیف کیا رقم ہو کہ ترسیلِ شعر میں
مجھ کو ہے پیش عجز بیانی کا مرحلہ!

میں کیا ہوں، میرے شعر ہیں کیا جانتا ہوں میں
کج مج بیاں ہوں جو بھی ہوں یہ اُس کی ہے عطا

ناصرؔ مجھے ہے فخر کہ اس دورِ نو میں ہوں
یہ دَور وہ ہے جس میں ہے اقبالؒ رہنما

ناصرؔ زیدی

یہ بہاروں کی ریاست

عظمتِ احرارِ ملت قائداعظم سے ہے
جذبِ حریت کی یہ حُرمت قائداعظم سے ہے

پرچمِ اسلام ہے جمہور پر سایہ فگن
ہم پہ خالق کی یہ رحمت قائداعظم سے ہے

منتشر تھے ہم غلامی کی فضائے دَرد میں
باہمی ربط و اخوت قائداعظم سے ہے

جس نے سوچوں کے مسافر کو عطا کیں منزلیں
وہ بصیرت وہ فراست قائداعظم سے ہے

یہ تدبّر، یہ تفکّر اور یہ شانِ وطن!
حسنِ آزادی کی شوکت قائداعظم سے ہے

غنچہ غنچہ جاگتا ہے ٹہنی ٹہنی ہوشیار
گلشنِ غیرت میں نکہت قائداعظم سے ہے

قائداعظم نے چھڑکا تھا یہاں خونِ جگر
یہ بہاروں کی ریاست قائداعظم سے ہے

قائداعظم نے سوچوں کو دیا حرفِ جدید
اِک نیا رنگِ سیاست قائداعظم سے ہے

موت کی پگڈنڈیوں پر چل رہی ہے زندگی
زندہ رہنے کی یہ ہمت قائداعظم سے ہے

پوچھنا چاہو سحرؔ جو راہِ منزل کا پتہ!
اُس سے پوچھو جس کی نسبت قائداعظم سے ہے

اکرم سحرؔ فارانی

CamScanner

اقبال کے ہاں مردِ مومن کا تصور

رانا اعجاز احمد خان

اقبال نے مرد مومن کا تصور کہاں سے اخذ کیا؟ اس حوالے سے مختلف آراء ملتی ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس کی اساس خالصتاً اسلامی تعلیمات پر ہے اور اس سلسلہ میں اقبال نے ابن مشکویہ اور عبدالکریم الجیلی جیسے اسلامی مفکرین سے بھی استفادہ کیا ہے۔ ایک گروہ اس تصور کو مغربی فلسفی نیٹشے کے فوق البشر کا عکس بتاتا ہے۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اقبال نے یہ خیال قدیم یونانی فلاسفرز سے حاصل کیا ہے۔ اور کچھ اسے مولانا روم کی دین قرار دیتے ہیں۔ اس لئے ان تمام مختلف اور متضاد آراء کے پیش نظر ضروری ہے کہ مرد مومن کے متعلق بات کرنے سے قبل ان افکار کا جائزہ لیا جائے جو مشرق اور مغرب میں اقبال سے قبل اس سلسلہ میں موجود تھے۔

......''ابن مشکویہ''

''انسان کامل یا مرد مومن کی زندگی، جو آئین الٰہی کے مطابق ہوتی ہے، فطرت کی عام زندگی میں شریک ہوتی ہے اور اشیاء کی حقیقت کا راز اس کی ذات پر منکشف ہو جاتا ہے۔ اس منزل پر پہنچ کر انسان کامل غرض کی حدود سے نکل کر جوہر کے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس کی آنکھ خدا کی آنکھ، اس کا کلام خدا کا کلام اور اس کی زندگی خدا کی زندگی بن جاتی ہے۔ یہی وہ نکتہ ہے جہاں انسانیت اور الٰہیت ایک ہو جاتی ہیں اور اس کا نتیجہ انسانِ ربانی کی پیدائش ہے۔'' ''عبدالکریم الجیلی''

نیٹشے مشہور جرمن فلسفی ہے جس نے اپنی کئی

کتابوں میں فوق البشر انسان کے تصور کو پیش کیا ہے۔ نیٹشے اوائل عمری میں خدا کا منکر تھا۔ بعد میں اسے ایسے انسان کی تلاش کی لگن ہوگئی جو سپر مین، فوق البشر یا مرد برتر کہلا سکے۔ اس بارے میں وہ کہتا ہے۔" فوق البشر وہ اعلیٰ فرد ہوگا جو طبقہ اشرافیہ سے ظہور کرے گا اور جو معمولی انسانوں کے درمیان میں خطرات کو جھیلتے ہوئے ابھرے گا اور سب پر چھا جائے گا۔

نیٹشے نسلی برتری کا زبردست حامی ہے اور مخصوص نسل کو محفوظ رکھنے اور خصوصی تربیت و پرداخت پر خاص زور دیتا ہے۔ فوق البشر کیلئے مروجہ اخلاقیات کو وہ زہر سمجھتا ہے۔ اور اسے اس غلامانہ اخلاق سے دور رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ اور اسے خیر و شر کے معیار سے ماورا خیال کرتا ہے۔ اور اسکے مقاصد کے پیش نظر ہر قسم کی جنگ کو جائز قرار دیتا ہے۔ بقول پروفیسر عزیز احمد "نیٹشے کے فوق البشر کی تین خصوصیات ہیں۔ قوت، فراست اور تکبر"

اقبال کے کلام میں مرد مومن کی صفات اور خصوصیات کو کافی تفصیل سے پیش کیا گیا ہے اور ان صفات کا بار بار تذکرہ اس صورت سے کیا گیا ہے کہ اسکی شخصیت اور کردار کے تمام پہلو پوری وضاحت سے سامنے آجاتے ہیں۔ یہ مرد مومن وہی ہے جس نے اپنی خودی کی پوری طرح تربیت وتشکیل کی ہے اور تربیت اور استحکامِ خودی کے تینوں مراحل ضبط نفس، اطاعت الٰہی، اور نیابت الٰہی طے کرنے کے بعد اشرف المخلوقات اور خلیفۃ اللہ فی الارض ہونے کا مرتبہ حاصل کر لیا ہے۔ اسکے کردار اور شخصیت کی اہم خصوصیات کلام اقبال کی روشنی میں مندرجہ ذیل ہیں۔

اقبال کا مرد مومن حیات و کائنات کے قوانین کا اسیر نہیں بلکہ حیات و کائنات کو اسیر کرنے والا ہے۔ قرآن مجید نے انسانوں کو تسخیر کائنات کی تعلیم دی ہے اور مرد مومن عناصر فطرت کو قبضے میں لے کر انکی باگ اپنی مرضی کے مطابق موڑتا ہے۔ وہ وقت کا شکار نہیں بلکہ وقت اس کے قبضہ میں ہوتا ہے۔

جہاں تمام ہے میراث مرد مومن کی
مری کلام پہ حجت ہے نکتہ لولاک
مہر و مہ و انجم کا محاسب ہے قلندر
ایام کا مرکب نہیں راکب ہے قلندر

گویا کافر کا کمال صرف مادہ کی تسخیر ہے لیکن مرد مومن مادی تسخیر کو اپنا مقصود قرار نہیں دیتا بلکہ اپنے باطن سے نئے جہانوں کی تخلیق بھی کرتا ہے۔ وہ زمان و مکان کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔ عرفانِ خودی کے باعث اسے وہ قوت حاصل ہوجاتی ہے جس سے حیات و کائنات کے اسرار و رموز اس پر منکشف ہوتے ہیں اور اسکی ذات جدت وانکشاف اور ایجاد و تسخیر کی آماجگاہ ہے۔ وہ اپنے عمل سے تجدید حیات کرتا ہے۔ تخلیق دوسروں کیلئے شمع ہدایت بنتی ہے۔ بقول ڈاکٹر یوسف حسین خان، "اپنے میں فطرت کی تمام قوتوں کو مرتکز کرنے سے مومن میں تسخیر عناصر کی غیر معمولی صلاحیتیں پیدا ہو جاتی ہیں جن کے باعث وہ اپنے آپ کو نیابت الٰہی کا اہل ثابت کرتا ہے اور اسکی نظر افراد کے افکار میں زلزلہ ڈال دیتی ہے۔ اور اقوام کی تقدیر میں انقلاب پیدا کر دیتی ہے۔

نگاہِ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

بندہ مومن کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنی تمام تر کوششوں کو عشق کے تابع رکھے۔ نہ صرف خودی کا استحکام عشق کا مرہون منت ہے بلکہ تسخیر ذات اور تسخیر کائنات کیلئے بھی عشق ضروری ہے اور عشق کیا ہے؟ اعلیٰ ترین نصب العین کیلئے سچی لگن، مقصد آفرینی کا سرچشمہ، یہ جذبہ انسان کو ہمیشہ آگے بڑھنے اور اپنی آرزؤں کو پورا کرنے کیلئے سرگرم عمل رکھتا ہے۔ یہ جذبہ مرد مومن کو خدا اور اسکے رسول کیساتھ گہری محبت کی بدولت عطا ہوتا ہے۔ اسی کے ذریعہ سے اسکے اعمال صالح اور پاکیزہ ہو جاتے ہیں اسے دل ونگاہ کی مسلمانی حاصل ہوتی ہے اور کردار میں پختگی آجاتی ہے۔

CamScanner

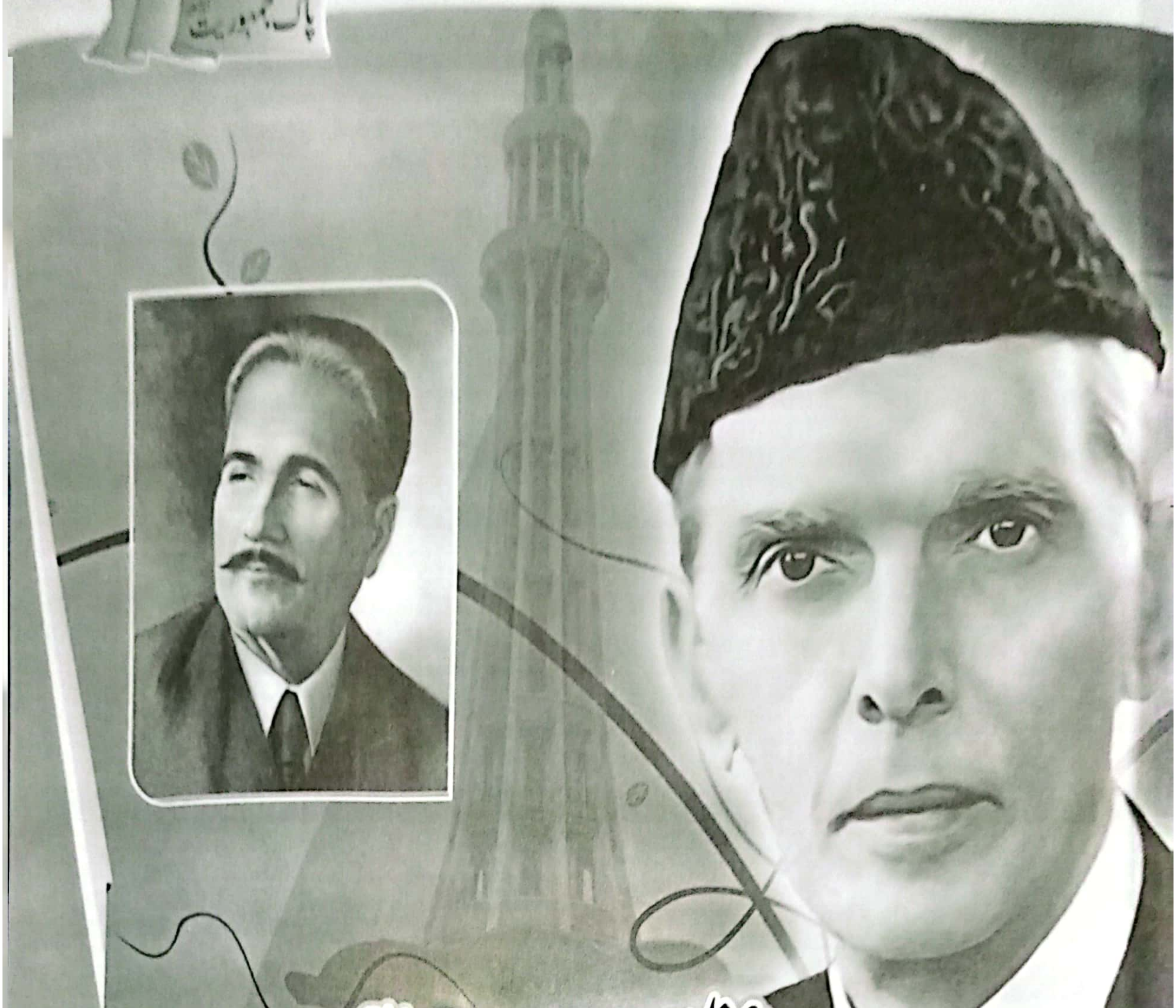

قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ

ڈاکٹر محمد سلیم

قائداعظم محمد علی جناحؒ عہد حاضر کی عظیم ترین شخصیتوں میں سے تھے۔ وہ برصغیر کے مسلمانوں کے مسلمہ رہنما تھے اور کروڑوں مسلمان ان کے ہونٹوں کی جنبش کے منتظر رہتے تھے۔ کئی دہائیوں پر پھیلی ہوئی ان کی سیاسی زندگی نے مسلم انڈیا کو ان کی دیانت، فراست، عزم و استقامت، خلوص اور سیاسی جنگ و جدل کے ماہر ہونے کا یقین دلایا تھا۔ ان کے انتقال تک دس برس کے لئے برصغیر کے مسلمان ان ہی کے دماغ سے سوچتے انہیں کی آنکھوں سے دیکھتے، انہیں کے دل سے محسوس کرتے اور انہیں کے اشارے پر چلتے رہے۔

جناحؒ نے پاکستان بنایا ہی نہیں وہ تو خود پاکستان تھے۔ وہی خون کی طرح ان کی رگوں میں دوڑتا پھرتا تھا۔ وہی ان کا دل تھا وہی ان کا دماغ۔ اُن کی آواز پاکستان کی آواز تھی اور اسی لئے اگر وہ کہتے۔

کہ ناز برفلک وحکم برستارہ کنم

تو انہیں اس کا حق پہنچتا ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے تاریخ کے دھارے کا رخ بدل دیا۔ یہ وہ شخص تھا جس نے مسلمانوں کو حوصلہ ہمت اور عزم دیا تھا۔ جس نے تن تنہا انگریز اور ہندو کی سیاست سے ٹکر لی تھی اور جس کے سامنے غیروں کے ذہنی چراغ لو دینا چھوڑ گئے تھے۔ یہی وہ شخص تھا جس نے دس کروڑ

مسلمانوں کے منتشر گروہ کو ایک سیسہ پلائی دیوار بنا دیا تھا اور جس نے دو سو سالہ غلامی کی زنجیریں کاٹ کر مسلمانوں کو آزادی سے ہمکنار کیا تھا۔

علامہ محمد اقبالؒ نابغہ روزگار اور ہمہ گیر شخصیت تھے۔ وہ بیسویں صدی کے سب سے عظیم مسلم مفکر، شاعر مشرق اور صاحب بصیرت سیاسی رہنما تھے قدرت نے ان کو بہت سی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ تاریخ کے اوراق ان کی بصیرت، فراست، معاملہ فہمی اور دوراندیشی نیز قوم سے ان کی خیرخواہی کی روشنی سے جگمگا رہے ہیں۔ ان کے بارے میں عام تاثر یہ ہے کہ وہ شاعر مشرق اور مفکر اسلام تو تھے لیکن زندگی بھر عملی سیاست سے الگ تھلگ اور گوشہ نشین رہے۔ یہ تاثر درست نہیں وہ نہ صرف اپنے عہد کی سیاسی تحریکوں کو ان کے صحیح پس منظر میں سمجھتے تھے بلکہ سیاست میں بھی بھرپور حصہ لیتے رہے۔ درحقیقت سیاست ان کی زندگی کا ایک اہم اور روشن باب ہے۔ انہوں نے قیام پاکستان سے سترہ برس پیشتر ہی اپنی بصیرت سے مستقبل کے دھندلے نقوش میں ایک آزاد اسلامی مملکت کا نقشہ ابھرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

ہر بڑے آدمی کی طرح علامہ اقبالؒ کو اپنی عظمت کا شدید احساس تھا اور بجا طور پر سمجھتے تھے کہ وہ عالم اسلام کو اس کی عظمت رفتہ کا احساس دلانے کے لئے اس دنیا میں آئے ہیں عطیہ بیگم کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں...... ''مجھے یقین ہے کہ دنیا میری موت کے بعد ایک نہ ایک دن میری پرستش کرے گی۔ لوگ میری کوتاہیوں کو بھول جائیں گے اور آنسوؤں کی صورت میں مجھے خراج عقیدت پیش کریں گے''۔

خواجہ غلام السیدین لکھتے ہیں کہ ڈاکٹر اقبال سے مل کر انسان کو یہ احساس ہوتا تھا کہ ان کا دماغ حکمت وفراست کا ایک گہرا خزانہ ہے جس کی تہہ تک پہنچنا ممکن نہیں یا روشنی کا ایک مینار ہے جو انسانی تقدیر اور امکانات کے چھپے ہوئے گوشوں کو منور کر دیتا ہے۔

24 مئی 1924ء کو لاہور میں مسلم لیگ کے پندرھویں سالانہ اجلاس کے موقع پر جناح نے لوگوں کو بتایا کہ اگرچہ تحریک خلافت ناکام رہی اور اس سے کافی نقصان پہنچا لیکن بہت سے فائدے بھی حاصل ہوئے ہیں۔ تین سال کی جدوجہد کے نتیجے میں سوراج حاصل کرنے کے لئے عام تحریک پیدا ہوئی ہے۔ عام آدمی کا سیاسی شعور بیدار ہو گیا ہے اور ہندوستان میں ذمہ دار ڈومینین حکومت کے فوری قیام کے واسطے اقدامات کے لئے بے خوفی سے مستقل تقاضا ہو رہا ہے۔

> مئی 1924ء کو لاہور میں مسلم لیگ کے پندرھویں سالانہ اجلاس کے موقع پر جناح نے لوگوں کو بتایا کہ اگرچہ تحریک خلافت ناکام رہی اور اس سے کافی نقصان پہنچا لیکن بہت سے فائدے بھی حاصل ہوئے ہیں۔ تین سال کی جدوجہد کے نتیجے میں سوراج حاصل کرنے کے لئے عام تحریک پیدا ہوئی ہے۔ عام آدمی کا سیاسی شعور بیدار ہو گیا ہے اور ہندوستان میں ذمہ دار ڈومینین حکومت کے فوری قیام کے واسطے اقدامات کے لئے بے خوفی سے مستقل تقاضا ہو رہا ہے

تحریک خلافت کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ انگریز حکمرانوں کے دبدبے اور طنطنے کا بت ٹوٹ گیا۔ عوام میں کھل کر حکومت کے خلاف کام کرنے اور آواز بلند کرنے کا حوصلہ پیدا ہوا لیکن چورا چوری کے واقعہ کے بعد گاندھی جی کی طرف سے تحریک ختم کرنے پر مسلمانوں میں انتہائی بے اعتمادی کی فضاء پیدا ہوئی۔ وہ سمجھنے لگے کہ وہ گاندھی جی کے ہاتھوں شکست و ریخت کا شکار ہوئے ہیں۔ انہیں ہندو قوم کے عزائم نظر آنے لگے۔ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ تحریک خلافت کے بعد مسلمانوں نے بحیثیت قوم کبھی بھی ہندوؤں کی سیاست پر اعتماد نہیں کیا۔

علامہ اقبالؒ جداگانہ انتخاب کے اصول کو ہندوستان میں مسلمانوں کے قومی تشخص کے لئے لازمی سمجھتے تھے اور کسی صورت میں بھی ان سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہ تھے۔ جیسا کہ ڈاکٹر جاوید اقبال اور محمد احمد خان نے کہا ہے، یہی

نقطہ ان کے تمام سیاسی فکر کا محور تھا اس کے لئے وہ کانگریس سے لڑتے، محمد علی جناح سے جھگڑتے اور محمد علی جوہر سے الجھتے رہے مگر اس اصول پر مستقل مزاجی سے قائم رہے۔ پنجاب کے مسلم رہنما (علامہ اقبال، میاں فضل حسین وغیرہ) جداگانہ طرزِ انتخاب کو مسلمانوں کے سیاسی مفادات کے تحفظ کے لئے لازمی سمجھتے تھے۔

اقبالؒ کے خطبہ الٰہ آباد میں کہیں بھی یہ مطالبہ شامل نہیں تھا کہ مسلمانوں کی خودمختار حکومت کا قیام عمل میں لایا جائے۔ وہ تو اپنی سیاسی بصیرت سے صرف یہ پیشین گوئی کر رہے تھے کہ مستقبل میں ایسا ہو کر رہے گا اور پھر ایسا ہو کر رہا۔ 17 سال بعد لیکن حقیقت یہ ہے کہ بحیثیت مجموعی، سیاسی رہنماؤں اور اخبارات نے اس کو ایک خودمختار اسلامی ریاست کا مطالبہ ہی سمجھا اور اس پر غیر مسلم رہنماؤں اور اخبارات نے فوری طور پر اپنی شدید برہمی اور اضطراب کا اظہار کیا۔

ایک دفعہ قائداعظمؒ نے اپنی تقریر میں ''دین'' کا لفظ استعمال کیا۔ علامہ کو جب یہ تقریر پڑھ کر سنائی گئی تو آپ نے قائداعظمؒ کے لفظ ''دین'' استعمال کرنے پر اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''جناح کی زبان سے دین کا لفظ کیسا بھلا معلوم ہوتا ہے۔''

قائداعظمؒ نے دہلی میں ایک اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے صوبوں میں کانگریسی وزارتوں کے طرزِ عمل اور خصوصیت سے ''بندے ماترم'' اور اردو زبان کا ذکر کیا۔ قائداعظمؒ نے اس تقریر میں ''بندے ماترم'' کے مسلم دشمن ترانے کے متعلق کہا ''اس سے شرک کی بو آتی ہے اور یہ مسلمانوں کے خلاف ایک قسم کا نعرۂ جنگ ہے۔'' کانگریسی صوبوں میں ہندی ہندوستانی کے جبری نفاذ کا ذکر کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے کہا کہ ''میرے خیال میں یہ چیز اسلامی تمدن اور اردو زبان کے لئے پیغام مرگ ہے اور ہمارے بچوں کے لئے مہلک ثابت ہوگی۔'' ایک مجلس میں جب علامہ اقبالؒ کو قائداعظمؒ کی یہ تقریر پڑھ کر سنائی گئی تو انہوں نے اس پر بڑی مسرت کا اظہار کیا اور کہا ''دو باتوں سے جی خوش ہوا ایک تو جناح کے کہنے پر کہ بندے ماترم سے شرک کی بو آتی ہے دوسرے اس پر کہ ہندی ہندوستانی تحریک دراصل اردو پر حملہ ہے اور اردو کے پردے میں بالواسطہ اسلامی تہذیب پر''

26 دسمبر 1938ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس پٹنہ میں قائداعظمؒ نے علامہ اقبالؒ کی وفات پر گہرے دکھ اور رنج کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ''علامہ اقبال میرے ذاتی دوست تھے، ان کا شمار دنیا کے عظیم شعراء میں ہوتا ہے، ان کی عظیم شاعری ہندوستانی مسلمانوں کی خواہشات کی صحیح عکاسی کرتی ہے۔ یہ ہمارے لئے اور ہماری آئندہ نسلوں کے لئے مشعلِ راہ کا کام دے گی۔'' اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمان قوم نے اسلام کی بنیاد پر پاکستان حاصل کیا۔ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر اس کا تصور علامہ اقبالؒ نے پیش کیا اور قائداعظمؒ کی قیادت میں مسلم لیگ یہ وطن حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی۔ یہ ملک نظریاتی بنیادوں پر قائم ہوا اور انشاءاللہ ان ہی بنیادوں پر قائم رہے گا۔

CamScanner

ڈاکٹر سید محمد اکرم

برصغیر اسلامی تہذیب کا بے مثال پاسدار۔ قائداعظمؒ

قائداعظمؒ ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھے۔ وہ اپنی قوت ایمانی کی بنا پر کفر کی طاقتوں کے سامنے زندگی بھر سینہ سپر رہے۔ سخت ترین کارزاروں میں بے تیغ لڑے اور فتح یاب ہوئے۔ مسلمانوں کی آزادی اور سربلندی کیلئے انکی سیاسی ذہانت اور عملی جرأت برصغیر کی تاریخ میں بے مثال ہے۔ انکا ہر بیان اسلامی روح کا آئینہ دار اور واضح اظہار ہے۔ آپ نے للکار کر کہا: ''ہندو اور انگریزو! تم دونوں متحد ہو کر بھی ہماری روح کو فنا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکو گے۔ تم اس اسلامی تہذیب کو کبھی نہ مٹا سکو گے جو ہمیں ورثہ میں ملی ہے۔ ہمارا نورِ ایمان زندہ ہے۔ ہمیشہ زندہ رہا ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔'' (مرکزی اسمبلی 22 مارچ 1930ء)

قائداعظمؒ نے مسلم قومیت کی بنیاد کے بارے میں دوٹوک الفاظ میں فرمایا ''مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کلمہ توحید پر ہے، نہ کہ وطن یا نسل۔ ہندوستان کا جب پہلا فرد مسلمان ہوا تھا تو وہ پہلی قوم کا فرد نہیں رہا تھا، وہ ایک الگ قوم کا فرد بن گیا تھا۔ آپ نے غور فرمایا کہ پاکستان کے مطالبے کا جذبہ محرک کیا تھا، اس کی وجہ نہ ہندوؤں کی تنگ نظری تھی نہ انگریزوں کی چال، یہ اسلام کا بنیادی مطالبہ تھا۔'' (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ 8 مارچ 1944ء)

''ہم کوئی ایسا نظام حکومت قبول نہیں کر سکتے جس کی رو سے ایک غیر مسلم اکثریت محض تعداد کی بنا پر ہم مسلمانوں پر حکومت کرے اور ہمیں اپنا فرمانبردار بنا لے۔'' (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ 1940ء)

اگر ہم بعثت نبویؐ پر ایک نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ تاریخ اسلام کا آغاز ہی دو قومی نظریئے سے ہوا۔ یعنی ایک ملت کفر اور ایک ملت اسلام۔ قائداعظمؒ نے کہا ''جہاں تک دو قومی نظریئے کا تعلق ہے تو یہ کوئی نظریہ نہیں بلکہ ایک

حقیقت ہے۔ ہندوستان کی تقسیم اسی بنیاد پر ہوئی۔" (25 اکتوبر 1947ء)

قائداعظمؒ نے فرمایا "اسلامی اقدار کو اپنانا انسانی ترقی کی معراج پر پہنچنے کیلئے ناگزیر ہے۔ یہ ایک طرف قیام پاکستان کا جواب ہیں اور دوسری طرف ایک مثالی معاشرے کی تخلیق کی ذمہ دار ہیں"۔(26 مارچ 1948ء)

قائداعظمؒ نے اپنے ایمان کی روح کا اظہار ان روشن الفاظ میں کیا: "میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اسوۂ حسنہ پر چلنے میں ہے جو ہمیں قانون عطا کرنے والے پیغمبر اسلامؐ نے ہمارے لئے بنایا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی جمہوریت کی بنیادیں صحیح معنوں میں اسلامی تصورات اور اصولوں پر رکھیں۔" (14 فروری 1947ء)

اسلامیہ کالج پشاور میں نہایت صریح الفاظ میں فرمایا "اسلام ہماری زندگی اور ہمارے وجود کا بنیادی سرچشمہ ہے۔(13 جنوری 1948ء)

گاندھی نے 15 ستمبر 1944ء کو قائداعظمؒ کے نام ایک خط میں لکھا، "مجھے تاریخ میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی جس کے مطابق تبدیلی مذہب والے لوگ اور انکے اسلاف اپنے اسلاف کو چھوڑ کر خود ایک قوم ہونے کا دعویٰ کر بیٹھیں۔ اگر ہندوستان ورود اسلام سے پہلے ایک قوم تھا تو اسے اپنی اولاد کی ایک بڑی تعداد کی تبدیلی مذہب کے بعد بھی ایک قوم ہی رہنا ہوگا۔ آپ کا علیحدہ قوم ہونے کا دعویٰ فتح کی وجہ سے نہیں بلکہ لوگوں کے قبول اسلام کی وجہ سے ہے۔ کیا اگر ہندوستان کے سب لوگ اسلام قبول کر لیں تو دونوں قومیں ایک ہو جائیں گی؟"

قائداعظم محمد علی جناحؒ نے دو روز بعد خط کا جواب دیا کہ "ہم اس نقطہ نظر پر قائم ہیں کہ مسلمان اور ہندو ہر لحاظ اور ہر اعتبار سے دو بڑی قومیں ہیں۔ ہم دس کروڑ افراد پر مشتمل ایک قوم ہیں۔ مزید برآں ہم اپنی مخصوص تہذیب اور تمدن، زبان اور ادب، فن اور معماری، نام اور القاب اقدار اور تناسب، قوانین اور اخلاق، رسوم اور تقویم، تاریخ اور روایات، رجحانات اور خواہشات کی حامل قوم ہیں۔ مختصر یہ کہ زندگی اور اس سے متعلق تمام بین الاقوامی قوانین کی رو سے ہم ایک قوم ہیں۔"

(جناح کری ایٹر آف پاکستان، ص 149)

قائداعظمؒ کے تمام بیانات اس امر کے شاہد ہیں کہ پاکستان کی تشکیل کا واحد جواز اسلام تھا تاکہ مسلمان، ہندو راج سے محفوظ رہتے ہوئے قرآنی احکام کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔

پاکستان دستور ساز اسمبلی کے دوسرے اجلاس میں قائداعظمؒ نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا "ہم اس نقطہ نظر کو اپنے سامنے رکھیں کہ بتدریج ہندو ہندو نہیں رہیں گے اور مسلمان مسلمان نہیں رہیں گے۔ مذہبی نقطہ نظر سے نہیں، کیونکہ مذہب تو ہر فرد کا ذاتی ایمان ہے بلکہ سیاسی نقطہ نظر سے وہ ریاست کے شہری مقصود ہوں گے۔" (تقاریر، بیانات اور پیغامات قائداعظم، جلد اول، لاہور

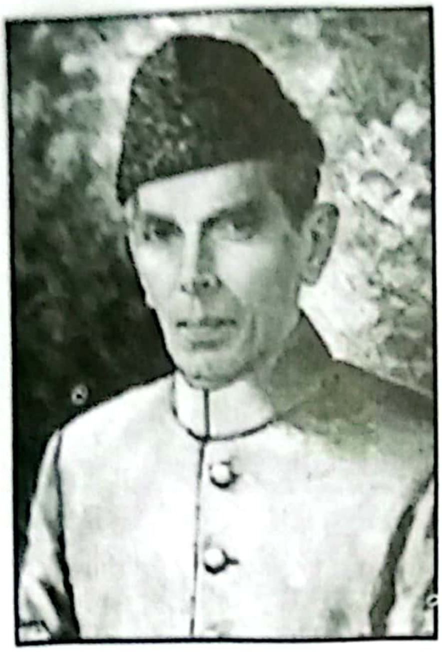

1996ء)

مندرجہ بالا تقریر کا مفہوم جیسا کہ بعض سیکولر (لادین) ذہن کے دانشوروں اور نابالغ سیاستدانوں نے سمجھا ہے، یہ ہرگز نہیں کہ پاکستان میں ہندو ہندو نہیں رہیں گے اور مسلمان مسلمان نہیں رہیں گے بلکہ ان الفاظ سے قائداعظمؒ کا واضح مطلب یہ ہے کہ پاکستان میں تمام باشندوں کے حقوق یکساں طور پر محفوظ ہوں گے۔ سب باشندوں پر یکساں قوانین کا نفاذ ہوگا۔ کسی مسلمان کو بحیثیت مذہب کوئی مخصوص مراعات حاصل نہیں ہوں گی جو اسے ہندو یا عیسائی وغیرہ سے ممیز کر سکیں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہی جمہوری اصول دین اسلام کی اصل اساس ہے جس سے عدل و احسان پر مبنی ایک اعلیٰ انسانی معاشرہ تشکیل دیا جا سکتا ہے۔

قائداعظمؒ کے اس بیان میں سیکولر ازم، لادینیت کا کوئی عنصر نہیں ہے یہ ایک جمہوری نظام

CamScanner

کا اعلان ہے۔ اس اعلان کو مزید سمجھنے کیلئے ''میثاق مدینہ'' کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔ میثاق مدینہ، بالتحقیق تاریخی اعتبار سے دنیا کا قدیم ترین تحریری آئینِ مملکت ہے۔ یہ وہ آئینی دستاویز ہے جو پہلی صدی ہجری میں حضرت محمدؐ اور مدینہ منورہ (یثرب) کے باشندوں (مسلمان، یہودی، مشرک وغیرہ) کے درمیان طے پائی۔ میثاق مدینہ 47 شقوں پر مشتمل ہے۔ ذیل میں شق نمبر 25 درج کی جاتی ہے جس کا ادراک اور جس کی تعمیل آج بے حد ضروری ہے۔

''بنو عوف کے یہودی اپنے موالی سمیت مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک اُمت ہوں گے۔ یہود اپنے دین پر کاربند رہیں گے اور مسلمان اپنے دین پر۔ البتہ جس نے گناہ کیا وہ اسکے نتیجے میں خود اور اپنے گھر والوں کو تباہی میں ڈالے گا۔'' (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد 21، ص 916)

قائداعظم محمد علی جناحؒ کا بیان میثاق مدینہ ہی کا ترجمان ہے جس کی دفعات کامل رواداری، مذہبی آزادی اور حُسنِ تعاون پر مبنی ہیں اور یہی اسلامی معاشرہ کی اساس ہے۔ قائداعظمؒ نے ہر پہلو سے اسلام کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ''اگر کوئی چیز اچھی ہے تو عین اسلام ہے۔ جو چیز اچھی نہیں وہ اسلام نہیں، کیونکہ اسلام کا مطلب عین انصاف ہے۔'' (27 مارچ 1947ء)

مزید اسلام کی تعریف میں فرمایا ''اسلام انصاف، مساوات، معقولیت اور رواداری کا حامل ہے بلکہ جو غیر مسلم ہماری حفاظت میں بھی آ جائے انکے ساتھ فیاضی کو روا رکھتا ہے۔'' (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، 2 نومبر 1940ء)

کراچی بار ایسوی ایشن میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا ''اسلام کے اصول عام زندگی میں آج بھی اسی طرح قابل اطلاق ہیں جس طرح تیرہ سو سال پہلے تھے۔ اسلام اور اسکے نظریات نے ہمیں جمہوریت کا سبق دیا ہے۔ ہر شخص کے ساتھ انصاف، رواداری اور مساوی برتاؤ اسلام کا بنیادی اصول ہے۔''

اسلام محض رسوم، روایات اور روحانی نظریات کا مجموعہ نہیں، اسلام ہر مسلمان کیلئے ضابطہ حیات بھی ہے۔ صرف ایک خدا کا تصور اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ہے۔ مساوات، آزادی اور اخوت اسلام کے اساسی اصول ہیں۔'' (25 جنوری 1948ء)

امریکی نامہ نگار سے انٹرویو میں کہا ''ہم نے اسلام اور اسکے نظریات سے جمہوریت کا سبق سیکھا ہے۔ اسلام نے ہمیں انسانی مساوات، انصاف اور ہر ایک سے رواداری کا درس دیا ہے۔'' (فروری 1948ء)

''پاکستان کی اقلیتوں کے افراد برابر کے شہری ہیں۔'' کراچی ستمبر 1946ء)

''ہمارا اللہ پر ایمان، اپنی ذات پر ایمان اور اپنی تقدیر پر ایمان ہے۔'' (9 فروری 1948ء)

''میں چاہتا ہوں کہ آپ بنگالی، پنجابی، سندھی، بلوچی اور پٹھان وغیرہ کی اصطلاحوں میں بات نہ کریں۔ میں مانتا ہوں کہ یہ اپنی اپنی جگہ وحدتیں ہیں، لیکن میں پوچھتا ہوں کہ آپ وہ سبق بھول گئے جو تیرہ سو سال پہلے آپ کو سکھایا گیا تھا۔'' (ڈھاکہ 21 مارچ 1948ء)

''بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہو جاتیں بلکہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں'' (القرآن)

قائداعظمؒ کیسا پاکستان چاہتے تھے

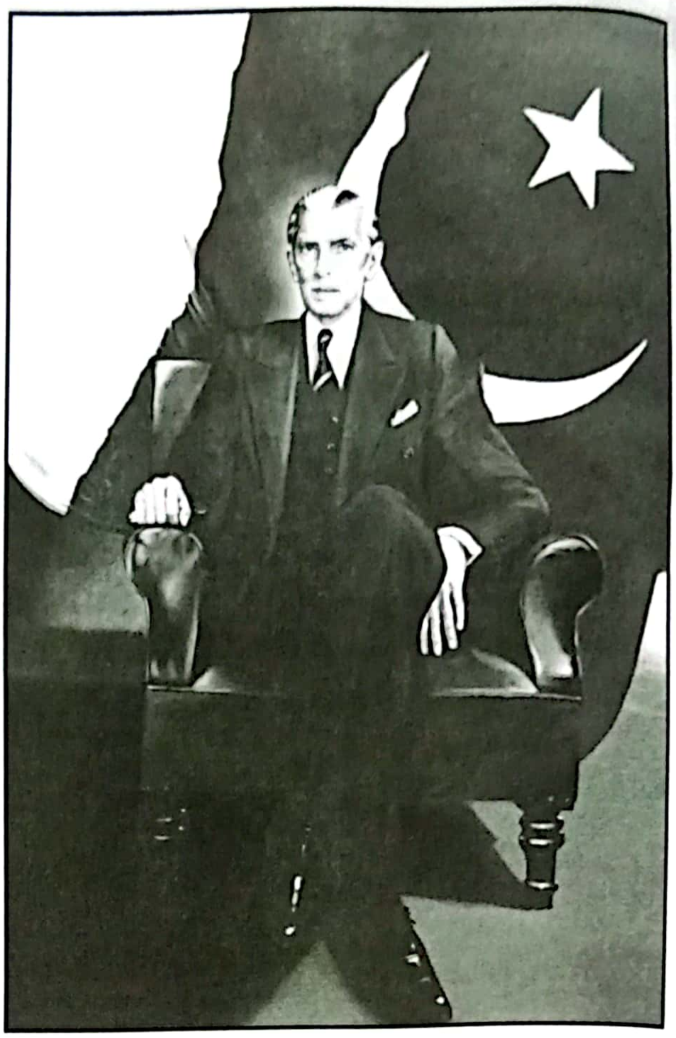

خواجہ مسعود

''ان کی عظمت کی پرکھ، ان کے علم اور تجربے کی رنگارنگی اور وسعت سے نہیں بلکہ ان کے ذہن دماغ اور تخلیقی سوچ کی پختگی اور درستگی سے ہوتی ہے۔ اس لیے محض ایک مشہور شخصیت کے مقاصد کے تنوع یا اس کو درپیش چیلنجوں کو نہیں بلکہ مقصد کے ساتھ اس کی پرخلوص لگن اور بے پناہ انفرادی صلاحیتوں کو اور سب سے بڑھ کر یہ دیکھنا چاہیے کہ فرض کی ادائیگی میں کسی خوف کی پرواہ نہ ہونے اور ذاتی وقار اور قومی افتخار جیسے پسندیدہ سادہ اصول پر عمل پیرا ہونے سے ان کی شخصیت کس قدر مسحور کن بن گئی تھی''۔ (سروجنی نائیڈو)

قائداعظمؒ سامراج کے شدید مخالف اور آزادیٔ فکر کے زبردست حامی تھے۔ انہیں آمریت، ظلم اور ناانصافی سے شدید نفرت تھی۔ وہ ایک سامراج دشمن اور جمہوری پاکستان چاہتے تھے۔ برصغیر کے مسلمانوں کے قائداعظمؒ کو اپنا لیڈر تسلیم کرنے اور ان کے ساتھ وفاداری کو عملی طور پر نبھانے کے پیچھے ان کا قائداعظمؒ پر یہ اعتبار تھا کہ وہ قومی آزادی کے عظیم مقصد کے ساتھ پوری طرح پر خلوص ہیں۔ معاشرے کو برائیوں سے پاک کرنا چاہتے ہیں اور اسلام کے بنیادی اصولوں، مساوات، بھائی چارے اور سماجی انصاف کے نفاذ کو معاشرے کی راہ نجات مانتے ہیں۔

ان کے بارے میں فرانک موریس نے لکھا تھا، ''ان کے ہم عصر مسلمان لیڈروں میں سے کوئی بھی برصغیر کے عام مسلمانوں کے دل کی آواز سننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، نہ ہی کوئی ایسا تھا کہ جس کی کہی کسی بات کو لوگ اپنے دل کی آواز سمجھنے لگتے اور وہ انہیں کچھ بھی کرنے پر آمادہ کر سکتا۔ پاکستان کا لفظ جناح کے منہ سے نکلنا ایک ایسی گھنٹی کی آواز جیسا تھا کہ جس پر لوگوں نے یوں ردعمل کا اظہار کیا جیسے وہ کسی خطرے کی گھنٹی کی آواز سن کر کرتے۔''

قائداعظمؒ نے پاکستان کی ضرورت، اس قدر واضح،

CamScanner

دو ٹوک اور عام آدمی کی زبان استعمال کرتے ہوئے اجاگر کی تھی کہ عام مسلمان نہ صرف اسے با آسانی سمجھ پائے، بلکہ بخوشی اسے قبول کرے اور شعوری طور پر اس کے لیے جدوجہد کرے۔

قائداعظمؒ کی برصغیر کے عام آدمی کی حالت زار کے بارے میں گہری تشویش نے ہی انہیں پاکستان کے تصور سے آشنا کیا۔ ان کا ایمان تھا کہ معاشرتی پسماندگی سے نجات اور حصول آزادی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ان کے نزدیک آزادی حاصل کرنے کا اصل مقصد ہی عام آدمی کی حالت کو بہتر بنانا تھا۔ ان کا کہنا تھا، ''ہم بیرونی طاقتوں کے ہاتھوں استحصال کا شکار ہوتے چلے آئے ہیں اب جب ایک نئے دور کا آغاز ہونے جا رہا ہے تو ہمیں سب سے پہلے اپنے اب تک صرف لٹتے چلے آ رہے عام آدمی کی حالت کو بہتر بنانے کو اپنی اولین ترجیح قرار دینا چاہیے۔''

ایک اور موقع پر انہوں نے مسلمانوں سے کہا کہ ان کا سب سے بڑا فریضہ یہ ہے کہ ''وہ عوامی فلاح و بہبود کا ایک ایسا تعمیری اور جامع پروگرام مرتب کریں کہ جس کے ذریعے مسلمانوں کی سماجی، معاشی اور سیاسی ترقی کی سبیل پیدا ہو تا کہ مسلم عوام کو برطانوی حکومت، کانگریس اور نام نہاد ملاؤں کے شکنجے سے نجات دلائی جا سکے۔''

قائد اچھی طرح جانتے تھے کہ ترقی کے راستے میں کون لوگ رکاوٹ ہیں۔ 24 اپریل 1943ء کو منعقد ہونے والے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں قائداعظمؒ نے خطبہ صدارت دیتے ہوئے ان عناصر پر گرجتے ہوئے فرمایا: ''میں ان جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کو خبردار کرنا چاہتا ہوں جو ہمارا خون چوس چوس کر اس قدر طاقتور ہوتے جا رہے ہیں، انہیں یہ موقع ایک ایسے نظام نے مہیا کیا ہے جو انہیں اس قدر خودغرض بنا دیتا ہے کہ کوئی نصیحت ان پر اثر ہی نہیں کرتی۔ لوگوں کا استحصال کرنا ان کی فطرت بن چکی ہے۔ ذرا دیہات میں جا کر دیکھیں۔ میں نے جا کر دیکھا ہے۔ وہاں ہزاروں، لاکھوں لوگ روزانہ کی شدید مشقت کے باوجود محض اتنا کما پاتے ہیں کہ ایک وقت کے کھانے کے اخراجات پورے کر سکیں۔ کیا اسے تہذیب کہتے ہیں؟''

اس سے بڑھ کر اور جاگیرداری اور سرمایہ داری کی مذمت کیا ہو سکتی تھی۔ قائد نے تو ایسا پاکستان چاہا تھا جہاں لالچ اور طاقت کے لیے مزدوروں اور کسانوں کا استحصال نہ ہو لیکن افسوس کہ ہم نے قائد کے اس خواب کو چکنا چور کر دیا۔ قائداعظمؒ سامراجیت کے سخت مخالف تھے اور اس پر کوئی سمجھوتہ کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ان کا کہنا تھا ''اس الزام سے بڑا اور کوئی سفید جھوٹ نہیں ہو سکتا کہ مسلم لیگ سامراج کی حاشیہ بردار ہے۔ کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ اسمبلی کے اندر یا باہر میں نے ایک بھی لفظ سامراج کی حمایت میں کہا ہو، اگر ایسی کوئی مثال نہیں تو پھر اس الزام کی کیا وقعت رہ جاتی ہے۔''

جب ماؤنٹ بیٹن نے قائد کو اپنی ہدایت پر عمل کرنے پر مجبور کرنے کے لیے یہ دھمکی دی کہ بصورت دیگر ہو سکتا ہے کہ وہ کبھی بھی پاکستان حاصل نہ کر پائیں تو قائد اسی وقت کھڑے ہوگئے اور ... دیا ''جو ہو سو ہو'' یہ تیکھا اور بے خوف جواب ... پاکستان کی اصل روح تھا کہ سامراج کی بالادستی ... صورت قابل قبول نہیں ہے اور یہی وہ دلیر اور ... بکنے والے قائد تھے کہ جو پاکستان کو معرض وجود میں لے آئے۔

اسٹیٹ بینک آف پاکستان کی افتتاحی تقریب میں عوام سے اپنے آخری خطاب کے دوران قائداعظمؒ نے مغرب کے معاشی نظام پر کڑی تنقید کرتے ہوئے فرمایا: ''مغرب کے معاشی نظام نے پوری انسانیت کو ایک ایسی تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے کہ جس کے بارے میں ہم میں سے بہت سوں کا یہ خیال ہے کہ کوئی معجزہ ہی دنیا کو اس سے بچا سکتا ہے۔ یہ انسانوں کے درمیان توازن قائم کرنے میں ناکام ہو چکا ہے اور قوموں کے درمیان مسابقت اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی ہوس کو بھی ختم نہیں کر پایا۔

طرہ یہ کہ اس کی بدولت پچھلے پچاس سال کے عرصے میں دنیا دو عالمی جنگوں کا شکار ہو چکی ہے۔ مغربی دنیا اپنی تمام تر مشینی ایجادات اور صنعتی ترقی کے باوجود جس بحران کا شکار ہے وہ دنیا کی تاریخ میں کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ مغربی معاشی نظریات کو اپنانا ہمارے جیسے ملک کے لیے کسی طرح بھی مفید ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ ہم اس پر عمل پیرا ہو کر اپنے عوام کو مسرت اور خود کفالت مہیا نہیں کر پائیں گے۔ ہمیں اپنا مستقبل خود اپنے انداز میں سنوارنا ہوگا اور

نیا کو تمام انسانوں کی برابری اور سماجی انصاف کے سلامی اصولوں پر مبنی معاشی نظام کا ایک نمونہ دکھانا وگا۔"

پاکستان کی آئندہ معاشی پالیسی کے خدوخال اضح کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ "میں ذاتی ور پر یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ موجودہ جدید دور کا قاضا ہے کہ بعض ضروری اور کلیدی صنعتیں ریاستی لکیت اور انتظام کے تحت چلائی جانی چاہئیں۔"

قائد نے اس قوت متحرکہ کی نشاندہی میں کسی ک کی گنجائش نہیں چھوڑی جو پاکستان کے بننے کے یچھے کارفرما تھی۔ 6 مارچ 1948ء کو چٹاگانگ کے یک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے رمایا: "آپ اس وقت میرے اور لاکھوں دوسرے سلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں جب آپ یہ کہتے ہیں کہ پاکستان کی اصل بنیاد انصاف ور اسلامی سوشلزم ہونی چاہیے جو کہ انسانی برابری اور ھائی چارے کا دوسرا نام ہے۔ یہ ہمارے مذہب، کلچر اور تہذیب کے بنیادی نکات ہیں اور ہم نے اکستان کی جدوجہد انہی بنیادی انسانی حقوق کے صول کے لیے کی تھی کیونکہ ہمیں خدشہ تھا کہ متحدہ ندوستان میں رہتے ہوئے ہمیں ہمارے ان بنیادی سانی حقوق سے محروم کردیا جائے گا۔ غیر ملکی کمرانوں اور ایک ذات پات کے ماتحت سماجی نظام ی دوہری غلامی نے ہمارے اندر ان زریں اصولوں ی آرزو کو اور شدید کردیا تھا۔ غلامی کا یہ دور دو دیوں سے زائد عرصے پر محیط رہنے سے ہمیں لگنے لگتا تھا کہ مسلمان بحیثیت فرد اور من حیث القوم بالکل ہی مٹ کر رہ جائیں گے۔ حتمی تجزیے میں پاکستان، اس کے لیے جدوجہد اور اس کے حصول کی کہانی، دراصل تمام رکاوٹوں اور مشکلات کے باوجود جدوجہد کے ذریعے عظیم انسانی مقاصد کو حاصل کرنے کی کہانی ہے۔"

آزادی، مساوات اور بھائی چارہ، قائداعظمؒ کے پسندیدہ ترین نعرے تھے۔ اس کا ثبوت ہمیں ان کی اس تقریر سے ملتا ہے جو انہوں نے 2 جنوری 1948ء کو فرانسیسی سفیر کی تقریر کے جواب میں کی تھی جو اس نے انہیں اپنی اسناد سفارت پیش کرتے وقت کی تھی۔ آپ نے فرمایا: "جیسا کہ تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ آزادی، مساوات اور بھائی چارے کے نعرے کی گونج ساری دنیا میں سنی گئی تھی جو آپ کی قوم نے اپنے عظیم انقلاب کے دوران لگایا اور جسے پھر آپ کی عظیم جمہوریہ نے سرکاری طور پر اپنایا۔ یہ نصب العین اور یہ اصول آج بھی دنیا بھر کے مظلوم و محکوم لوگوں میں امید پیدا کرنے اور انہیں جدوجہد پر ابھارنے کے کام آرہے ہیں۔"

قائد کے نزدیک آئین کی تشکیل عوام کا حق تھا، اپریل 1943ء میں دہلی میں منعقدہ آل انڈیا مسلم لیگ کے کنونشن میں خطبہ صدارت دیتے ہوئے آپ نے فرمایا: "پاکستان کا آئین صرف اور صرف ملت یعنی عوام ہی مرتب کرسکتے ہیں۔ اس کا آئین اور حکومت وہی ہوگی جسے عوام منتخب کریں گے"۔

1944ء میں روزنامہ "ورکر" لندن کو اپنا انٹرویو

دیتے ہوئے قائد نے واضح کردیا تھا۔ "پاکستانی مسلمان اس قابل بننا چاہتے ہیں کہ اپنی ایک مقبول، جمہوری حکومت بنا سکیں۔ یہ حکومت تمام پاکستانی عوام کی رضامندی سے وجود میں آئے گی اور پاکستان کے تمام عوام، بلالحاظ ذات، رنگ اور نسل کی مرضی اور دیئے گئے اختیارات کے مطابق کام کرے گی۔"

قائد جمہوری طریق کار پر غیر متزلزل ایمان رکھتے تھے۔ انہوں نے اعلان کیا تھا کہ "میرے ذہن میں اس حوالے سے کوئی ابہام نہیں پایا جاتا کہ پاکستانی عوام کی اکثریت پاکستان کو ایک عوامی حکومت رکھنے والے ملک کے طور پر تصور میں لائی ہے۔ آپ پاکستان طاقت کے ذریعے حاصل کریں یا کسی سمجھوتے کے ذریعے اس کی آئین سازی بہرحال آپ کو اپنے منتخب نمائندوں کے ذریعے ہی کرنا ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کو اپنے منتخب نمائندوں سے کام لینا نہ آتا ہو، تاہم اگر ایسا ہو بھی، تو یہ آپ کی ہی غلطی ہوگی لیکن میرا پختہ عقیدہ ہے کہ جمہوریت ہمارے خون میں شامل ہے۔

CamScanner

یہ ہماری ہڈیوں کا گودا ہے، مسلسل صدیوں کی غلامی نے ہمارے خون کی گردش کو ٹھنڈا کر دیا ہے۔ یہ ٹھنڈا پڑ گیا ہے اور آپ کی شریانیں کام نہیں کر رہیں۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ مسلم لیگ کی کوششوں سے یہ لہو پھر گردش کرنے لگا ہے۔ عوام کی حاکمیت قائم ہو کر رہے گی۔''

قائد نے عوامی حکومت کے تصور کو اس لیے اپنایا کیونکہ وہ عوام کی طاقت سے بخوبی آگاہ تھے اور یہ بھی تو حقیقت ہے کہ عوام ہی تاریخ کے دھارے کا رخ موڑا کرتے ہیں۔ انہوں نے عوام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''مسلم لیگ ایک عوامی جماعت ہے، ہر مسلمان کو حق حاصل ہے کہ اس کا ممبر بن سکے۔ یہ عام لوگوں کی تنظیم ہے اور اس کے سیاہ و سفید کے وہی مالک ہیں۔ اگر آپ کسی بھی شخص کو اپنے درمیان نہیں دیکھنا چاہتے تو چوبیس گھنٹے کے اندر اندر اسے نکال باہر کر سکتے ہیں۔ طاقت یعنی حقیقی طاقت آپ کے پاس ہے۔ مسلم لیگ عام لوگوں کے بل پر قائم ہے۔ یہ تحریک، مسلمانوں کے قومی احیائے نو کی یہ اٹھتی ہوئی موج کسی طاقت سے نہیں دبائی جا سکتی''۔

قائداعظم تھیوکریسی (مذہبی پیشواؤں کی حکومت) کے خطرے کو بھی بڑی اچھی طرح بھانپ چکے تھے اور انہوں نے کئی مواقع پر قوم کو اس سے خبردار بھی کیا۔ مسلم لیگ کے منتخب اسمبلی ممبران سے خطاب کے دوران آپ نے فرمایا: ''ہماری جدوجہد کی منزل کیا ہے؟ یہ نہ تو تھیوکریسی اور نہ ہی کسی مذہبی ریاست کا حصول ہے۔ مذہب کا اپنا ایک مقام ہے اور وہ ہم سب کو دل و جان سے عزیز ہے۔ جب مذہب کا سوال ہو تو دنیا کی ہر شے اس کے مقابلے میں غیر اہم ہے لیکن اس کے علاوہ اور بھی کئی معاملات ہیں جو اپنی جگہ پر بہت اہم ہیں جیسے کہ ہماری سماجی اور معاشی زندگی۔''

پھر ایک بار ریڈیو آسٹریلیا پر 14 فروری 1948ء کو نشر ہونے والی گفتگو کے دوران آپ نے فرمایا: ''ہم اسلامی اخوت کے رشتے میں بندھے ہوئے ہیں جس کے تحت حقوق، وقار اور عزت نفس کے حوالے سے ہم سب برابر ہیں۔ نتیجتاً ہم میں اتحاد کا ایک گہرا احساس پایا جاتا ہے لیکن اس سے آپ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ پاکستان کوئی مذہبی اور نہ ہی اس سے ملتی جلتی اور طرح کی ریاست ہے۔ اسلام ہمیں دیگر مخلوقات سے حسن سلوک کی تلقین کرتا ہے لیکن ہم ایسے تمام انسانوں کو گلے لگانے کے لیے تیار ہیں جو اپنی مرضی سے پاکستانی شہریت اختیار کرنا اور اس کی فلاح و بہبود میں کوئی حصہ ڈالنا چاہیں۔''

جب پاکستان بن گیا تو قائد میں اس قدر جرأت، دانائی اور بیش بینی موجود تھی کہ انہوں نے اس کی پہلی آئین ساز اسمبلی کے پہلے اجلاس منعقدہ 11 اگست 1947ء میں اپنی تقریر کے ذریعے 23 مارچ 1940ء کی قرارداد پاکستان کی اصل روح کو ایک ٹھوس شکل دینے کی اہمیت اجاگر کرنا ضروری سمجھا، لیکن ان کے جانشینوں نے اس تقریر کو اپنا نصب العین ماننے سے ہمیشہ گریز کیا۔ انہوں نے آزادی

کے حصول کے اصل مقصد (یعنی یہاں کے ... پسے ہوئے طبقات کی بحالی) کو ہمیشہ پ... ڈالے رکھا۔

افسوس! ہم نے پاکستان کے اس ت... دھندلا دیا جو قائداعظمؒ نے ہمیں بڑے واضح ... میں دکھایا تھا۔ یہ تصور سامراج دشمنی، آزادی ... علمبرداری، جمہوریت کی آبیاری اور معاشر... پسے ہوئے طبقات کے مفادات کے حصول ... لیے جدوجہد کو ہمیشہ اپنے دل میں جگہ دیئے ر... کے قائد کے اپنے اصولوں سے عبارت تھا۔ ہم... قائداعظم کے تصور پاکستان کو بھلا کر اس کے حص... کے اصل مقاصد سے روگردانی کی اور پھر اس... اچھی خاصی سزا بھی بھگتی۔ ہمیں اس داغ د... اجالے والی سحر کے سحر سے نکلنا ہوگا اور بابائے ق... کے تصورات کو ایک بار پھر نئے سرے اور عزم ... گلے لگانا ہوگا۔ تبھی ہم اس بحران سے نکل سکیں ... جس نے ہمارے حال کو بے حال بنا دیا ہے او... ہمارے مستقبل کو گہنا کر رکھ دیا ہے۔

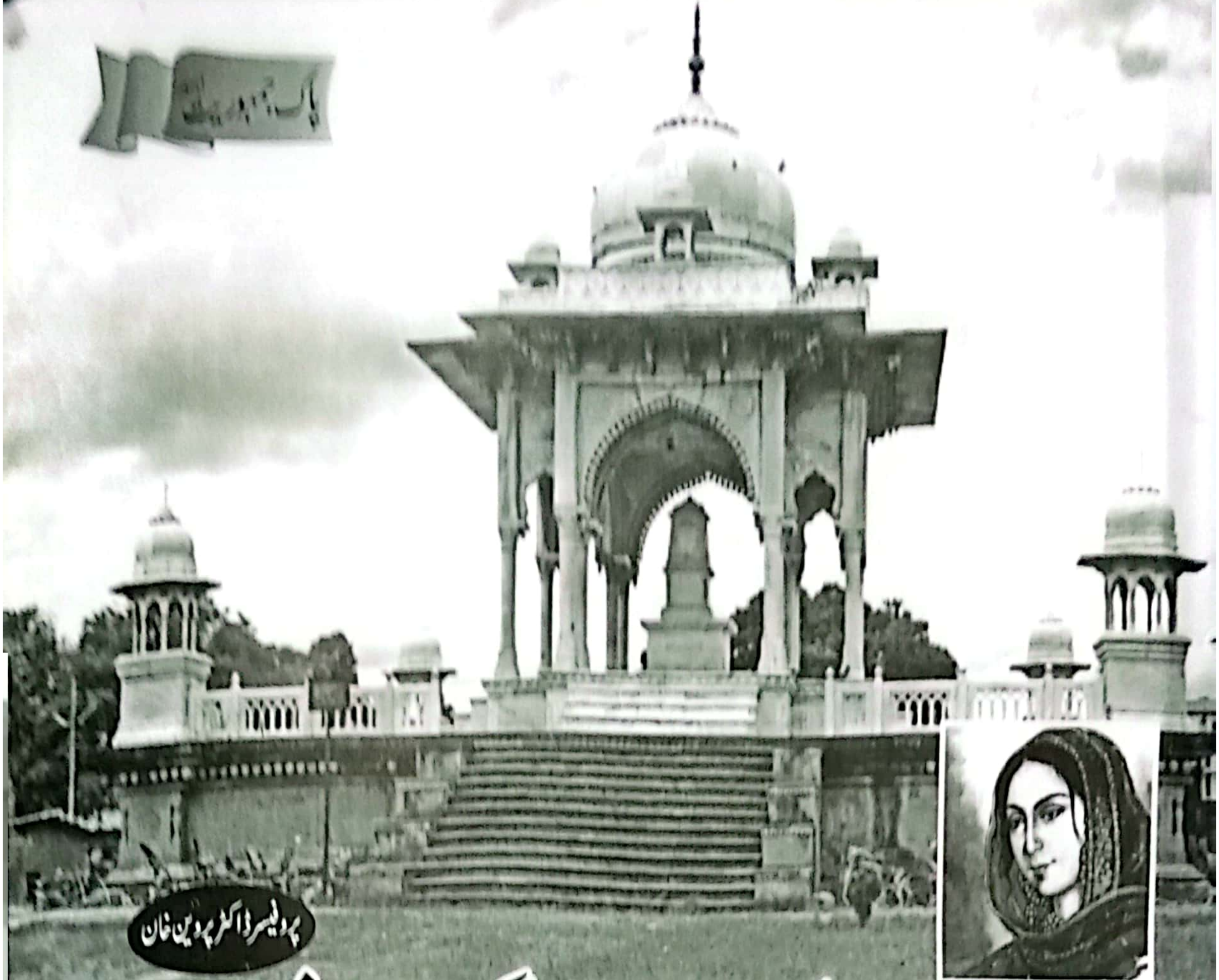

پروفیسر ڈاکٹر پروین خان

عزم وہمت کی چٹان......بیگم حضرت محل

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ 1707ء میں اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد مغلیہ سلطنت دن بدن رو بہ زوال ہوئی۔ شاہانِ مغلیہ اپنے اجداد کے برعکس حکومتی امور سے نابلد اور وسعتِ سلطنت کے پیشِ نظر اصول جہانبانی کی صلاحیتوں سے عاری تھے۔ اُسی دورِ زوال میں انگریزوں نے تاجر کے بھیس میں نہ صرف معاشی طور پر خود کو مستحکم کیا بلکہ بتدریج برصغیر کے مختلف صوبوں اور ریاستوں کو اپنے تسلّط میں لانا شروع کیا۔ 1757ء کی جنگ پلاسی نے اُن پر یہ راز افشا کر دیا کہ وہ مقامی نوابین اور اُن کے متوسلین کے درمیان ہوسِ اقتدار کا بیج بو کر اس قدر نفاق پیدا کر سکتے ہیں کہ اُن سے اُن کے زیرِ اثر صوبے اور ریاستوں پر خود قابض ہو سکتے ہیں۔ سبسڈی ایری سسٹم سے لے کر اصول الحاق کی پالیسی تک انگریز ہندوستان پر اپنا اقتدار مستحکم کرنے میں کامیاب ہوئے اور سب سے آخر میں جس ریاست پر انہوں نے قبضہ کیا وہ ''اودھ'' کی ریاست تھی جو 12 فروری 1856ء کو نواب واجد علی شاہ کو بدنظمی کے الزام میں برطرف کر کے انگریزوں کی عملداری میں شامل کر لی گئی۔ میجر جنرل آرٹ ریم کو اودھ کا چیف کمشنر مقرر کیا گیا۔ خرابیٔ صحت کی بنا پر بہت جلد اس کی جگہ مسٹر جیکسن نے اختیار سنبھال لئے۔ چند دنوں بعد ہی مارچ 1857ء میں سر ہنری لارنس کو تجربہ کار ہونے کی بنا پر مقرر کیا گیا مگر وہ بھی اودھ کے عوام کو مطمئن کرنے میں ناکام رہا۔

مئی 1857ء میں جب ریاست میں بے چینی کا آغاز ہوا تو اودھ کے مجاہدین نے حضرت محل سے استدعا کی وہ کمسن مرزا برجیس قدر کی مسند نشینی کا اعلان کرنے کے ساتھ اس کی سرپرست بھی بنیں۔ اس طرح ملکہ حضرت محل نے عملاً ریاستی امور کی نگرانی اور اپنی معاونت کے

لئے چند با اعتماد افراد کو مقرر کیا جن میں سے خصوصاً علی محمد عرف محمد خان داروغہ خاص، محبوب خان محکمہ عدل مال، پولیس اور فوج کے سربراہ بنائے گئے۔ حضرت محل کے اقتدار سنبھالنے کے وقت بدنظمی، لوٹ مار کی وجہ سے عوام کو بے پناہ مسائل کا سامنا تھا۔ برجیس قدر نے حضرت محل کی ایما پر سب سے پہلے جو عملی اقدامات کئے اُن میں سے پہلا فرمان یہ تھا: شہر میں ''اب کوئی کسی کو نہ لوٹے وگرنہ سزا پائے گا'' پنشن یافتہ افراد کو اُن کے عہدوں پر بحال کیا گیا تا کہ امور حکومت میں وہ معاونت کر سکیں۔ لکھنؤ میں مجاہدین کثیر تعداد میں موجود تھے اور اُن کے قائد مولانا احمد اللہ شاہ سے تصادم کا راستہ اپنانے کی بجائے اُن سے برجیس قدر کی سرپرستی کی استدعا کی اس طرح مولانا نے نہایت اخلاص سے امور سلطنت میں اعانت کا سلسلہ جاری رکھا۔

امور سلطنت میں بہتری کے ساتھ ساتھ حضرت محل نے روسا اور اودھ کے تعلقہ داروں کو انقلاب میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ کولہاپور کے راجہ کو ایک تلوار تحفہ و دیگر تحائف بھیجے اور اُسے ترغیب جہاد دی۔ یہ الگ بات ہے کہ راجہ نے تعاون نہ کیا۔

بیگم حضرت محل بھرپور صلاحیتوں کی مالک تھیں۔ انہوں نے نہ صرف اودھ کے داخلی مسائل پر قابو پایا بلکہ انہوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد جاری رکھا۔ علاوہ ازیں انہوں نے بہادر شاہ ظفر کو تحفے تحائف بھیجے اور اودھ کی آزادی کی نوید سنائی۔ مغل شہنشاہ کے پاس عباس مرزا کو بھیجا گیا جنہوں نے مراد آباد کے راستے دہلی کا سفر کیا۔ عباس مرزا نے تحائف بادشاہ کی خدمت میں پیش کئے اور بادشاہ نے اسے سفیر الدولہ کے خطاب سے نوازا۔

حضرت محل کی فہم و فراست، حسن تدبر اور انتظامی حکمت عملی کی بدولت صرف چند روز میں اودھ کے تمام اضلاع سے انگریزی عملداری ختم کروائی ہنری لارنس نے انگریز حکام کو لکھا ''سارے اضلاع ہماری حکومت سے نکل گئے ہیں اور ہر روز حالت بگڑتی جا رہی ہے۔ سارے تعلقہ دار مسلح ہو رہے ہیں اور بعض نے دیہات پر قبضہ کرلیا ہے۔'' (عروج عہد انگلیشیہ)

انگریزوں کے خلاف مجاہدین کو منظم کرنے میں زر کثیر درکار تھا۔ بیگم حضرت محل نے گھر کا اثاثہ اور جمع سیم و زر خود بھی اور امراء سے کم وبیش چار لاکھ روپے جمع کئے۔ جنرل حسام الدین کو مزید سپاہ بھرتی کرنے کا اختیار دیا تا کہ انگریزوں سے مقابلہ کیا جا سکے۔ حریت پسندوں نے حضرت محل کے کہنے پر 31 جولائی 1857 کو مولانا احمد اللہ شاہ کی قیادت میں بیلی گارد پر حملہ کیا۔ بیگم حضرت محل کی بے چینی کا یہ عالم تھا کہ رات بھر سو نہ سکیں وہ سپاہیوں کی بہت قدر کرتیں اور حوصلہ کے علاوہ انعامات سے بھی نوازتیں۔ جولائی 1857ء سے لے کر مارچ 1858ء تک آپ انگریزوں کے خلاف مجاہدین کی قیادت کرتی رہیں۔ انگریزوں سے جنگ ... حضرت محل بالآخر قیصر باغ ... رہ گئیں۔ وہ وہاں سے محل ... وہاں برطانوی کمانڈر جنرل ... واجد علی شاہ کا ملک بدستور تم کو ... دستبردار ہو جائیے۔ مگر بیگم حضرت محل ... پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ انگریزوں کی جا... سامنے وہ ہمیشہ ڈٹی رہیں اور انہوں ... 1858ء سے لے کر اپریل 1859ء ... سے مقابلہ کیا حتیٰ کہ جنوری 1859ء ... کھٹمنڈو جانے پر مجبور ہو گئیں۔

بیگم حضرت محل نے عزم و استقامت ... تاریخ ساز جدوجہد کی بدولت جنگِ آزادی ... اپنا نام زندہ جاوید کر دیا۔ وہ اپنی معمولی صلاحیت... کے سبب جنگ آزادی میں ایک عظیم قائد بن... نہایت اعلیٰ منتظم، خوددار غیرت مند اور مدبر خا... تھیں۔ قیصر التواریخ کے مطابق ''سپاہیوں کی ... حسی اور جمود کو توڑا اور خود ایثار و قربانی کی ... پیش کی۔ بہادری اور جوش کا یہ حال تھا کہ با... پردے میں رہنے کے گھوڑے پر سوار ہو کر خود ... کی سالاری کرتیں انہوں نے دس ماہ تک فرنگی... کا نہایت بہادری سے مقابلہ کیا۔'' حضرت م... نے لکھنؤ چھوڑنے کے بعد نیپال میں سکونت اختیار کی جہاں کم وبیش 21 برس مقیم رہنے کے بعد اپریل 1879ء میں وفات پائی اور وہ... مدفون ہوئیں۔

الحاج میاں محمد شریف ملنسار شخصیت تھے

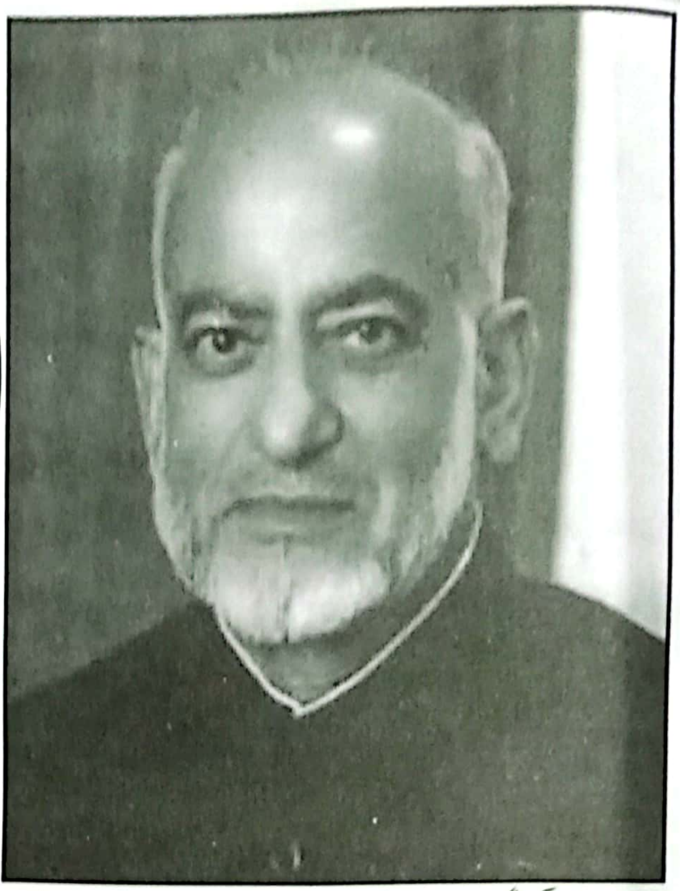

سید ولی شاہ آفریدی

دنیا میں کچھ لوگ ہوتے ہیں ایک وہ جو ہر چیز کا روشن پہلو رکھتے اور دیکھتے ہیں وہ ہر کام کو اس یقین کیساتھ شروع کرتے ہیں کہ ہم اس میں ضرور کامیاب ہوں گے وہ درپیش مشکلات اور عارضی رکاوٹوں کے ساتھ بہادرانہ جنگ لڑتے ہیں اور بالآخر کامیابی ان کے قدم چومتی ہے۔ اس تناظر میں اگر ہم شرافت کے پیکر الحاج میاں محمد شریف (مرحوم) کی سوانح حیات پر نظر ڈالیں تو اس میں نوجوانوں اور عمر رسیدہ افراد کیلئے کئی اسباق پوشیدہ ہیں۔ کسے معلوم تھا کہ جاتی عمرہ (امرتسر) میں 1920ء کے عشرے میں پیدا ہونے والا بچہ مستقبل میں پاکستان کی صنعت اور سیاست میں منفرد مقام حاصل کریگا اور پاکستان کی سیاست پر زیادہ اثر انداز ہونے والا فرد بن جائیگا لیکن یہ سب کاتب تقدیر نے الحاج میاں محمد شریف کے مقدر میں لکھا تھا جنہوں نے اپنے مستقبل اور تقدیر کو تدبیر، محنت، عزم، ہمت، جفاکشی اور جدوجہد سے سنوارا، انہوں نے ابتدائی تعلیم امرتسر کے جاتی عمرہ سے 4 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع گاؤں نیویں سرلی سے حاصل کی بعدازاں انکے خاندان نے پاکستان ہجرت کی اور لاہور کے مسلم ہائی سکول رام گلی میں داخلہ لیا میٹرک کے بعد مزید تعلیم اسلامیہ کالج ریلوے روڈ سے حاصل کی۔

فیلڈ مارشل ایوب خان کے دور حکومت میں ملک میں صنعتوں کیلئے ماحول سازگار تھا تو الحاج میاں محمد شریف نے بھی ایک چھوٹا سا صنعتی یونٹ لگایا 70 کی دہائی تک حالت یہ ہوگئی تھی کہ انکے صنعتی ادارے میں کام کرنیوالے مزدوروں کی تعداد پاکستان کے کسی بھی ادارے سے زیادہ تھی لیکن اللہ جس کو دیتا ہے انہیں آزمائش میں بھی ڈالتا اور آزماتا ہے۔

ذوالفقار علی بھٹو کے دور حکومت میں الحاج میاں محمد شریف کی فیکٹریوں کو قومیانا بھی آزمائشوں میں سے ایک آزمائش تھی لیکن الحاج میاں محمد شریف خداوند کریم کی طرف سے اس آزمائش پر پورا اترے۔ صبر واستقامت کیساتھ حالات کا جوانمردی سے مقابلہ کیا، 1979ء کو اتفاق فونڈریز تباہ شدہ حالت میں واپس کی گئی محنت کی عظمت پر یقین رکھنے والے الحاج میاں محمد شریف نے دن رات محنت سے چند سالوں میں اس ادارے کو دوبارہ منافع بخش ادارہ بنایا اور ہزاروں خاندانوں کو دوبارہ روزگار ملا۔ الحاج

CamScanner

میاں محمد شریف نے کبھی انتخابات میں حصہ نہیں لیا لیکن انکے بیٹوں کی عملی سیاست کے پیچھے انہی کے فیصلوں کا دخل تھا الحاج میاں محمد شریف نے نہ صرف اپنے بیٹوں کو سیاست سکھائی بلکہ اپنی بہو بیگم کلثوم نواز کو سیاست میں لانے کا فیصلہ انہی کا تھا وہ پاکستان میں صحیح معنوں میں اللہ کے حکم اور قانون کی حکمرانی کو نافذ ہوتا دیکھنا چاہتے تھے۔ مذہبی، سماجی تجارتی اور سب سے بڑھ کر انسانی ہمدردی کی وجہ سے ملکی اور بین الاقوامی حلقوں میں انکو ایک عظیم صاحب کردار، انسانی دوست اور ماہر تجارت کے طور پر شہرت حاصل ہوئی۔ ایک شفیق باپ کی حیثیت سے انہوں نے اپنی اولاد اور کنبے کے جملہ افراد کی سرپرستی فرماتے ہوئے اسلامی شعائر کے مطابق پرورش اور تربیت فرمائی۔ وہ ہمیشہ اس بات پر فخر کرتے رہے ایک چھوٹی سی ورکشاپ سے تن تنہا کام کا آغاز کیا اور صنعت کاروں کیلئے ایسی مثال قائم کی جو آج بھی سب کیلئے باعث رشک ہے۔ وہ باجماعت نماز کی ادائیگی رات کے وقت گھر میں قرآن پاک اور احادیث نبویؐ کے حوالے سے تعلیمات دیتے تھے۔ رات کے 2 بجے اٹھ جاتے اور تہجد ادا فرماتے نماز فجر کی ادائیگی کے بعد اشراق کے نوافل ادا فرماتے اور اسکے بعد ناشتہ کرتے۔ وہ داتا دربار لاہور میں متواتر چودہ سال تک نماز کی اقامت فرماتے رہے۔ چار سالہ ملک بدری کے طویل ایام میں حرمین شریفین ان کا مسکن رہا۔ نماز، روزہ، حج، عمرہ، زکواۃ، خیرات، صدقات، شفقت، محبت، شرافت، قناعت، سخاوت، تحمل اور برداشت آپکی زندگی کے قیمتی اثاثے تھے۔ الحاج میاں محمد شریف ہر سال مزدوروں اور کارکنوں کو عید کا جوڑا سلوا کر تحفتاً دیتے تھے۔ جدہ میں سرور پیلس میں رہتے ہوئے بھی وہ رائے ونڈ میں اپنے فارم ہاؤس جاتی عمرہ کی طرح بے شمار حاجت مندوں کی معاونت کرتے رہے انکی طبیعت میں سادگی اور انکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی کہ ہر سال دوستوں اور لوگوں کو عید کے تحائف دیتے۔

سادگی کا یہ عالم تھا کہ آپ سیدھا سادہ لباس پہنتے جو عموماً سفید شلوار قمیض، واسکٹ یا شیروانی پر مشتمل ہوتا تھا۔ ایک طویل عرصے سے عارضہ قلب میں مبتلا ہونے کے باوجود بیماری کا مقابلہ انتہائی جوانمردی سے کیا اور آخری ایام تک نماز پنجگانہ کے پابند رہے۔ انہوں نے لاہور میں اتفاق ہسپتال جاتی عمرہ رائے ونڈ میں شریف میڈیکل سٹی اور شریف تعلیمی کمپلیکس قائم کیا۔ شریف میڈیکل سٹی میں غریبوں اور ناداروں کا مفت علاج ہوتا اور خود جاکر بیواؤں، معذوروں اور ناداروں کی مدد کرتے تھے اور انکے سروں پر دست شفقت رکھتے۔ ان کے قائم کردہ فلاحی ادارہ شریف میڈیکل سٹی اور اتفاق ہسپتال میں آج بھی روزانہ ناداروں، بیواؤں، معذوروں کا مفت علاج ہوتا ہے اور یہ صدقہ جاریہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہمیشہ کیلئے قائم رہے گا۔ 12 اکتوبر 1999ء کو منتخب جمہوری حکومت [illegible] خون مارا انہیں اقتدار سے [illegible] الحاج میاں محمد شریف کو اپنے [illegible] پوتوں کے ساتھ قید و بند کی [illegible] مشکلات برداشت کرنا پڑیں لیکن صبر [illegible] کیساتھ مشکل ترین حالات کا [illegible] کیساتھ مقابلہ کیا اور اللہ کے فضل وکرم [illegible] الحرمین شریفین شہزادہ عبداللہ نے مشکل [illegible] میں انکی بھرپور مدد کی اور انہیں بحفاظت [illegible] سمیت سعودی عرب منتقل کیا بالآخر وہ ماہ رمضان المبارک کی مقدس رحمتوں، برکتوں اور مغفرت کے مہینے پندرہ رمضان شریف 29 اکتوبر 2004ء کو خالق حقیقی سے جا ملے انکے جسد خاکی کو سعودی عرب سے لاہور لایا گیا اور جاتی عمرہ رائے ونڈ لاہور میں ہزاروں اشکبار آنکھوں کے سامنے سپرد خاک کر دیا گیا۔

الحاج میاں محمد شریف ہر سال مزدوروں اور کارکنوں کو عید کا جوڑا سلوا کر تحفتاً دیتے تھے۔ جدہ میں سرور پیلس میں رہتے ہوئے بھی وہ رائے ونڈ میں اپنے فارم ہاؤس جاتی عمرہ کی طرح بے شمار حاجت مندوں کی معاونت کرتے رہے انکی طبیعت میں سادگی اور انکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی کہ ہر سال دوستوں اور لوگوں کو عید کے تحائف دیتے

حکومتی کارکردگی، تصویری جھلکیاں

اسلام آباد،3اکتوبر(2013): صدر پاکستان ممنون حسین ایشین ایسوسی ایشین آف اوپن یونیورسٹیز کی 27ویں سالانہ کا[illegible] کر رہے ہیں۔

[illegible]19اکتوبر(2013): وفاقی وزیر اطلاعات ونشریات وقومی ورثہ سینیٹر پرویز رشید ایوان صدر میں صدر پاکستان ممنون حسین کو" حکومت کے پہلے 100دن پر کتاب پیش کر رہے ہیں۔

ریاض،17اکتوبر(2013): صدر پاکستان ممنون حسین خادم حرمین شریفین شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز سے شاہی محل میں تبادلہ خیال کر رہے ہیں۔

اسلام آباد، 7 نومبر (2013) صدر پاکستان ممنون حسین ایوان صدر میں متحدہ عرب امارات کے وزیر خارجہ شیخ عبداللہ بن زید ال[illegible] سے ملاقات کر رہے ہیں۔

اسلام آباد، 20 نومبر (2013) صدر پاکستان ممنون حسین نیشنل کونسل آف آرٹس میں عالمی یومِ اطفال کے سلسلے میں منعقدہ تقریب سے خطاب کر رہے ہیں۔

اسلام آباد، 13 اکتوبر (2013)
بیرونس سعیدہ وارثی سینئر وزیر
برائے خارجہ و دولت مشترکہ
برطانیہ وزیر اعظم ہاؤس
میں وزیر اعظم پاکستان محمد نواز شریف سے
ملاقات کر رہی ہیں۔

اسلام آباد، 3 اکتوبر (2013): وزیراعظم پاکستان محمد نواز شریف وزیراعظم ہاؤس اسلام آباد میں ماہر گیس فیلڈ قمر شہداد کوٹ سندھ کا افتتا [illegible] یں۔

اسلام آباد، 14 اکتوبر (2013):
وزیراعظم پاکستان محمد نواز شریف
وزیراعظم ہاؤس سینئر سیکیورٹی
و [illegible] جنس حکام کے ساتھ ایک
اعلیٰ سطحی اجلاس کی
صدارت کر رہے ہیں۔

اسلام آباد، 10 اکتوبر (2013):
وزیراعظم پاکستان محمد نواز شریف اور
چیف آف ایئر سٹاف، ایئر چیف مارشل
طاہر رفیق بٹ کا پی اے ایف اکیڈمی
کی گریجویٹنگ تقریب کے موقع پر
گریجوایٹنگ افسران کے ہمراہ
گروپ فوٹو۔

واشنگٹن، 20 اکتوبر (2013): وزیراعظم پاکستان محمد نواز شریف
کا سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ پہنچنے پر امریکی وزیر خارجہ جان کیری استقبال کر رہے ہیں۔

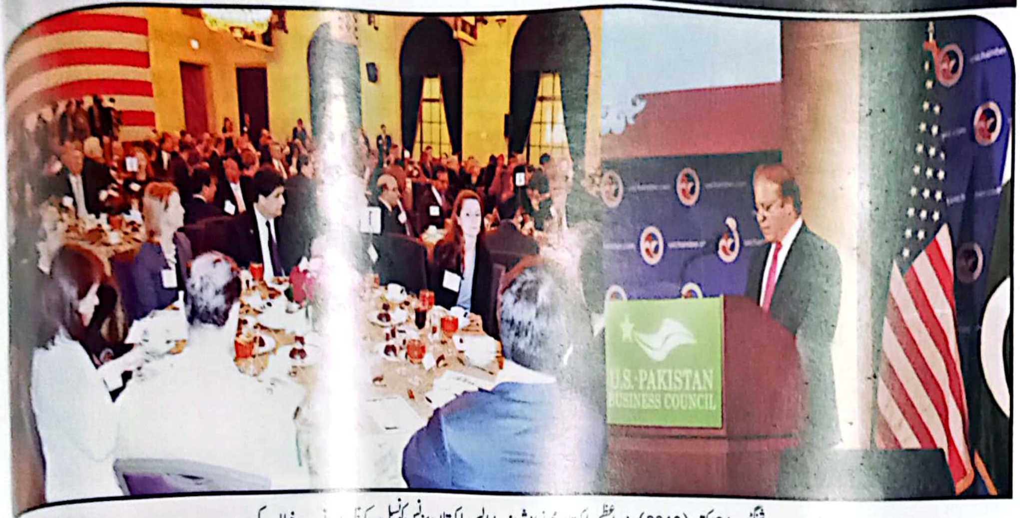

واشنگٹن، 21 اکتوبر (2013): وزیراعظم پاکستان محمد نواز شریف یو ایس پاکستان بزنس کونسل کے ظہرانے سے خطاب کر رہے۔

واشنگٹن، 22 اکتوبر (2013): وزیراعظم پاکستان محمد نواز شریف یونائیٹڈ سٹیٹس
انسٹیٹیوٹ آف پیس کے زیر اہتمام پاکستان کا وژن برائے امن،
استحکام و ترقی کے بارے میں ایک اجلاس سے خطاب کر رہے ہیں۔

واشنگٹن،23 اکتوبر(2013)

وزیراعظم پاکستان [illegible] شریف

امریکی صدر [illegible]

[illegible]

[illegible]

واشنگٹن،23 اکتوبر(2013):

وزیراعظم پاکستان محمد نواز شریف امریکی نائب صدر

جو بائیڈن سے ناشتے پر ملاقات کر رہے ہیں۔

لندن،29 اکتوبر(2013):

وزیراعظم پاکستان محمد نواز شریف 9ویں

ورلڈ اسلامک اکنامک فورم سے خطاب کر رہے ہیں۔

لندن، [illegible] (2013)
برطانوی وزیر اعظم [illegible] کیمرون وزیر اعظم پاکستان
محمد نواز شریف [illegible] (نمبر 10 ڈاؤننگ سٹریٹ
[illegible] [illegible]ل کر رہے ہیں۔

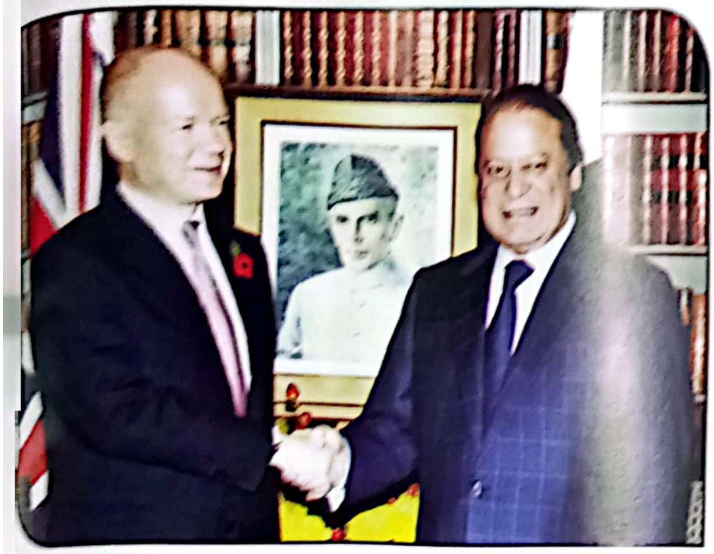

لندن، 30 اکتوبر (2013)
وزیر اعظم پاکستان محمد نواز شریف
برطانوی وزیر خارجہ ہیگ سے
ملاقات سے پہلے مصافحہ کر رہے ہیں۔

لندن، 31 اکتوبر (2013)
وزیر اعظم پاکستان محمد نواز شریف اور
برطانوی نائب وزیر اعظم نک کلیگ
اپنے وفود کے ہمراہ ملاقات کر رہے ہیں۔

اسلام آباد، 7 نومبر (2013): وزیراعظم پاکستان محمد نواز شریف وزیراعظم ہاؤس میں کم لاگت رہائشی سکیموں کے بارے ایک میٹنگ کی صدارت کر رہے ہیں۔

اسلام آباد، 7 نومبر (2013): وزیراعظم پاکستان محمد نواز شریف متحدہ عرب امارات کے وزیر خارجہ شیخ عبداللہ بن زید النہیان کے ساتھ ملاقات کر رہے ہیں۔

آواران 8 نومبر (2013): وزیراعظم پاکستان محمد نواز شریف مرکزی امدادی کیمپ میں زلزلہ متاثرہ علاقے کے زعماء سے ملاقات کر رہے ہیں۔

CamScanner

اسلام آباد، 11 نومبر (2013): وزیراعظم پاکستان محمد نواز شریف شیخ جابر مبارک الحماد الصباح وزیراعظم کویت سے ملاقات کر رہے ہیں۔

راولپنڈی، 12 نومبر (2013): وزیراعظم پاکستان محمد نواز شریف یادگار شہداء پر فاتحہ خوانی کر رہے ہیں۔

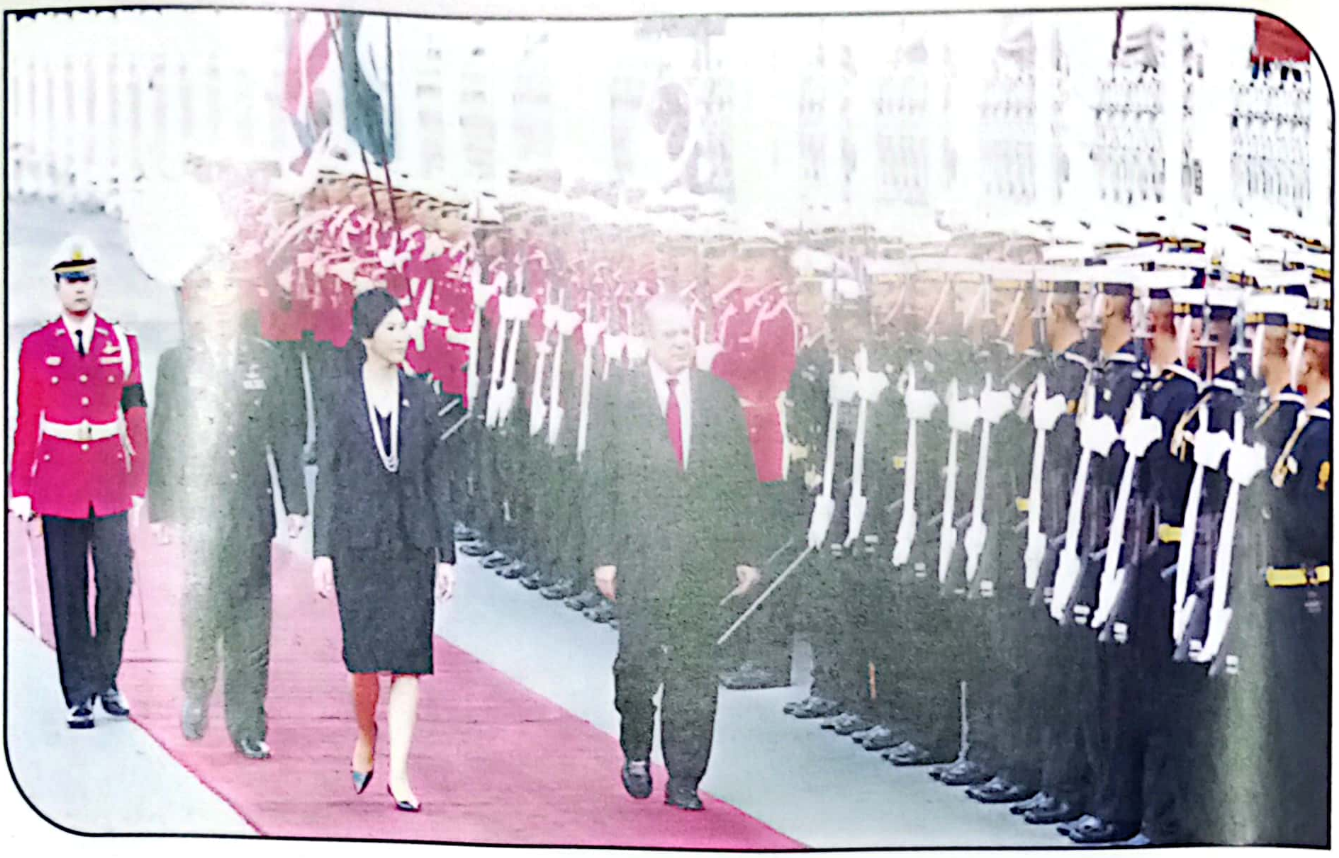

بنکاک، 18 نومبر (2013): وزیراعظم پاکستان محمد نواز شریف گورنمنٹ ہاؤس میں اپنے اعزازی گارڈ آف کا معائنہ کر رہے ہیں۔

کولمبو، 15 نومبر (2013): کامن ویلتھ سربراہی کانفرنس کے موقع پر دولت مشترکہ ممالک کے سربراہان مملکت اور ان کے نمائندوں کا گروپ فوٹو۔

اسلام آباد، 22 نومبر (2013): وزیراعظم پاکستان محمد نواز شریف وژن 2025 کی قومی مشاورتی کانفرنس منعقدہ کنونشن سنٹر سے خطاب کر رہے ہیں۔

اسلام آباد، 26 نومبر (2013): وزیراعظم پاکستان محمد نواز شریف کشمیر ہائی وے پراجیکٹ کے بارے میں سائٹ آف میں ایک اجلاس کی صدارت کر رہے ہیں۔

لاہور، 26 اکتوبر (2013): وفاقی وزیر اطلاعات، نشریات وقومی ورثہ سینیٹر پرویز رشید ساؤتھ ایشین میڈیا سکول کی سرٹیفکیٹ تقسیم کرنے کی تقریب سے خطاب کر رہے ہیں۔

لاہور، یکم نومبر (2013): وفاقی وزیر اطلات، نشریات وقومی ورثہ سینیٹر پرویز رشید ڈوئچے ویلے کے تعاون سے پاکستان براڈ کاسٹنگ کے زیر اہتمام 9 روزہ ڈیجیٹل آرکائیو ورکشاپ کے اختتامی اجلاس میں شریک ہیں۔

لاہور، 27 اکتوبر (2013): وفاقی وزیر اطلات، نشریات وقومی ورثہ سینیٹر پرویز رشید کو صوبائی وزیر کھیل رانا مشہود احمد یوتھ فیسٹیول 2014 کے بارے میں ایک میٹنگ میں آگاہ کر رہے ہیں۔

لاہور، 2 نومبر (2013): وفاقی وزیر اطلاعات، نشریات وقومی ورثہ سینیٹر پرویز رشید میر خلیل الرحمٰن میموریل سوسائٹی اور انٹرنیشنل ہیومن رائٹس کمیشن کے مشترکہ طور پر زیر اہتمام سیمینار سے خطاب کررہے ہیں۔

لاہور، 24 نومبر (2013): وفاقی وزیر اطلاعات، نشریات وقومی ورثہ سینیٹر پرویز رشید چوتھی الحمراء عالمی ادبی وثقافتی کانفرنس 2013 سے خطاب کررہے ہیں۔

لاہور، 7 اکتوبر (2013) وفاقی وزیر ریلوے خواجہ سعد رفیق اینکر پرسنز، کالم نگاروں، ادیبوں، دانشوروں اور میڈیا کے نمائندوں سے ریلوے ہیڈکوارٹر میں خطاب کررہے ہیں۔

ڈاکٹر محمد یونس

وزیراعظم میاں محمد نواز شریف کا شہداء کو خراجِ تحسین

وزیراعظم میاں محمد نواز شریف نے کہا ہے کہ قوم مسلح افواج کی قربانیوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ مسلح افواج کے دلوں میں شہادت کا چراغ جلتا ہے' مسلح افواج نے وطن کے دفاع کیلئے جانوں کے نذرانے دے کر روشن تاریخ رقم کی ہے۔ ہمارے کل کیلئے اپنے آج کو قربان کرنیوالے غازی اور شہید ہمارے محسن ہیں۔ 12 نومبر 2013ء، جی ایچ کیو راولپنڈی کے دورے کے موقع پر بات چیت کرتے ہوئے وزیراعظم نے کہا کہ مسلح افواج کا ہر جوان اور افسر جذبہ ایمانی اور حب الوطنی کے ساتھ میدان میں اترتا ہے۔ دہشت گردوں کیخلاف جانوں کے نذرانے دینے والے شہداء کو قوم ہمیشہ یاد رکھے گی۔ انہوں نے کہا کہ زمانہ امن اور جنگ کے دوران مسلح افواج نے بھرپور صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔ پاکستان پُرامن ملک ہے اور دنیا میں امن کا فروغ چاہتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان دنیا کے نقشے پر ایک ترقی یافتہ ریاست کی حیثیت سے پہچانا جائیگا۔ ہمیں مسلح افواج کی صلاحیتوں پر بھرپور

وزیراعظم میاں محمد نواز شریف نے کہا ہے کہ قوم مسلح افواج کی قربانیوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ مسلح افواج کے دلوں میں شہادت کا چراغ جلتا ہے' مسلح افواج نے وطن کے دفاع کیلئے جانوں کے نذرانے دے کر روشن تاریخ رقم کی ہے۔ ہمارے کل کیلئے اپنے آج کو قربان کرنیوالے غازی اور شہید ہمارے محسن ہیں۔ 12 نومبر 2013ء، جی ایچ کیوراولپنڈی کے دورے کے موقع پر بات چیت کرتے ہوئے وزیراعظم نے کہا کہ مسلح افواج کا ہر جوان اور افسر جذبہ ایمانی اور حب الوطنی کے ساتھ میدان میں اترتا ہے

اعتماد ہے۔ حکومت جمہوریت کے استحکام کیلئے مضبوط دفاع کو ضروری سمجھتی ہے۔ پاکستانی عوام جمہوریت پر مکمل اعتماد رکھتے ہیں۔

وزیراعظم کی حیثیت سے میاں محمد نواز شریف تقریباً 14 سال بعد جی ایچ کیو آئے' جہاں آرمی چیف جنرل اشفاق پرویز کیانی نے ان کا استقبال کیا جبکہ آرمی چیف کی انکے ساتھ ون آن ون ملاقات ہوئی جس میں ملکی سلامتی کی صورتحال اور پیشہ ورانہ امور پر بات چیت کی گئی۔ دوران ملاقات شہادت سے متعلق امیر جماعت اسلامی سید منور حسن کا متنازعہ بیان بھی زیرغور آیا جس کی روشنی میں وزیراعظم نے دہشت گردی کیخلاف جانوں کے نذرانے پیش کرنیوالے پاک فوج کے افسران و جوانوں کو بھرپور انداز میں خراج عقیدت پیش کیا۔

بے شک طالع آزما جرنیلوں کے ماورائے آئین اقدامات سے اندرون اور بیرون ملک افواج پاکستان کے امیج پر منفی اثرات مرتب ہوتے رہے ہیں مگر کسی فرد واحد کے اقدام کی بنیاد پر پورے عسکری ادارے کے بارے میں منفی رائے قائم کرنا قطعاً مناسب نہیں جبکہ ملک کی سالمیت کو لاحق تمام اندرونی اور بیرونی خطرات سے افواج پاکستان ہی اپنی بہترین صلاحیتوں اور استعداد کی بنیاد پر عہدہ برأ ہوتی ہیں۔ اس تناظر میں جہاں ملک کی سرحدوں کو لاحق بیرونی خطرات کا مقابلہ کر کے دشمن کے دانت کھٹے کرنے کی افواج پاکستان کی آئینی ذمہ داری ہے' اسی طرح اندرون ملک سے دہشت گردی یا کسی دوسرے خلفشار کی بنیاد پر ملک کی سلامتی کو لاحق خطرات کا توڑ کرنا بھی افواج پاکستان ہی کی ذمہ داری ہے جبکہ افواج پاکستان اپنا یہ آئینی فریضہ سول حکومت کی معاونت کر کے ادا کرتی ہیں۔

دہشت گردی کے خاتمہ کی جنگ میں گزشتہ دس سال کے دوران مسلح افواج نے جرأت و پامردی کی بے مثال داستانیں رقم کرتے ہوئے اپنی پانچ ہزار سے زیادہ قیمتی جانوں کے نذرانے پیش کئے اور ملک کی سلامتی کو نقصان پہنچانے سے متعلق دہشت گردوں کے عزائم ناکام بنائے ہیں تو یہ بھی دفاع وطن پر مامور سپاہِ پاکستان کی بہترین صلاحیتوں اور بے پایاں جذبے کا غماز ہے اس لئے من حیث القوم افواج پاکستان کو ان قربانیوں پر خراج عقیدت پیش کرنا اور انکے ساتھ یکجہتی کا اظہار کرنا قوم کے علاوہ ہماری حکومتی' سیاسی اور دینی قیادتوں کی بھی اتنی ہی ذمہ داری ہے۔ افواج پاکستان تو آج بھی دہشت گردی کے خاتمہ کی جنگ کو منطقی انجام تک پہنچانے اور ملک میں دہشت گردی کے ناسور کو جڑ سے اکھاڑنے کیلئے یکسو ہیں جس کا آرمی چیف جنرل اشفاق پرویز کیانی کی جانب سے متعدد مواقع پر اظہار بھی کیا جا چکا ہے۔ اسکے باوجود عسکری قیادتوں نے دہشت گردی میں ملوث انتہاء پسند تنظیموں کے ساتھ مذاکرات کی حکومتی پالیسی کو قبول کیا اور ان مجوزہ مذاکرات کی کامیابی کیلئے بھی حکومت کے ساتھ یکجہتی کا اظہار کیا۔

یہ خوش آئند صورتحال ہے کہ وفاقی وزیر داخلہ چودھری نثار علی خان نے قومی اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے دہشت گردی کی جنگ کے حوالے سے پاک فوج کے کردار کا دفاع کیا جبکہ وزیراعظم میاں محمد نواز شریف نے بھی جی ایچ کیو کا دورہ کر کے افواج پاکستان کے ساتھ یکجہتی کا اظہار کیا جس سے نہ صرف سیاسی قیادتوں میں طالع آزماء جرنیلوں کے حوالے سے فوج کے کردار کے بارے میں ماضی میں پیدا ہونیوالی غلط فہمیوں کے ازالہ میں مدد ملے گی بلکہ افواج پاکستان اور اسکی قیادت بھی دہشت گردوں کے مقابلہ سمیت دفاع پاکستان کا ہر تقاضا نبھانے کیلئے یکسو ہونگی۔

> **وزیراعظم میاں محمد نواز شریف نے بھی جی ایچ کیو کا دورہ کر کے افواج پاکستان کے ساتھ یکجہتی کا اظہار کیا جس سے نہ صرف سیاسی قیادتوں میں طالع آزماء جرنیلوں کے حوالے سے فوج کے کردار کے بارے میں ماضی میں پیدا ہونیوالی غلط فہمیوں کے ازالہ میں مدد ملے گی بلکہ افواج پاکستان اور اسکی قیادت بھی دہشت گردوں کے مقابلہ سمیت دفاع پاکستان کا ہر تقاضا نبھانے کیلئے یکسو ہونگی**

CamScanner

ریاض ابراہیم

وزیراعظم میاں نوازشریف کا دورہ امریکہ

ان حالات میں جب امریکہ اس خطے میں دہشت گردی کے خلاف جنگ میں مصروف ہے، پاکستان میں ڈرون حملے ہورہے ہیں، پاک بھارت متنازعہ معاملات مزید طول پکڑ رہے ہیں، نوازشریف کا دورۂ امریکہ بہت اہمیت کا حامل تھا جس نے پاک امریکہ تعلقات کی درست سمت کا تعین کیا ہے جو معاشی حوالے سے بھی بڑی پیش رفت ہے۔ یہ بات تو طے ہے کہ نوازشریف کا دورہ ہر حوالے سے بامعنی رہا ہے کیونکہ ابھی نواز شریف شاید اینڈ ریوائیر بیس پر پہنچے ہی تھے کہ امریکہ کی جانب سے پاکستان کو ایک ارب ساٹھ کروڑ ڈالر کی فوجی واقتصادی امداد جاری کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ بارک اوباما نے بھی امریکی کانگریس کو پاکستان کے لئے تیس کروڑ ڈالر کی فوجی امداد بحال کرنے کی سفارش کی۔ پاکستان میں ڈرون حملوں اور مسئلہ کشمیر کے معاملات بہت اہمیت کے حامل ہونے کے باوجود آمر پرویز مشرف اور زرداری حکومت نے انہیں سرد خانے میں ڈالے رکھا لیکن یہ دونوں معاملات میاں محمد نوازشریف کے ایجنڈے کا انتہائی اہم حصہ تھے۔ امریکی صدر بارک اوباما اور دیگر امریکی عہدیداروں کے ساتھ ملاقاتوں میں نوازشریف نے پاکستان میں ڈرون حملوں اور مسئلہ کشمیر پر سیر حاصل گفتگو کی۔ اس کے علاوہ توانائی، سکیورٹی، افغانستان کی صورتحال سمیت دیگر امور پر بھی تبادلہ خیال ہوا۔ بارک اوباما سمیت تمام امریکی عہدیداروں سے ملاقاتوں میں نوازشریف نے دوٹوک الفاظ میں واضح کردیا کہ ڈرون حملے روکے جائیں کیونکہ یہ ہماری سلامتی کی راہ میں حائل رکاوٹ ہیں۔ وزیراعظم کی جانب سے امداد نہیں بلکہ تجارت کا

مطالبہ بہت اہمیت کا حامل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دورۂ امریکہ کے موقع پر محمد نواز شریف نے امریکی حکومت پر زور دیا ہے کہ پاکستانی مصنوعات کو امریکی منڈیوں تک خاطر خواہ رسائی فراہم کی جائے۔ یہ مطالبہ تسلیم ہونے کی صورت میں پاکستان کی امریکہ کو برآمدات میں کم از کم پچاس فیصد اضافہ ہوسکتا ہے اور اس کے ساتھ ہی معاشی تعاون اور مشترکہ منصوبہ سازی کی نئی راہیں کھل سکتی ہیں۔ دورے کا لب لباب یہ ہے کہ میاں نواز شریف نے امریکہ پر اچھی طرح واضح کردیا ہے کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں پاکستان کے کردار کو مدنظر رکھتے ہوئے اس سے تعاون اور اسے درپیش مسائل کے حل کیلئے مدد فراہم کرنا اس کا فرض ہے اور مزید یہ کہ ایک مستحکم اور خوشحال پاکستان ہی ساری دنیا کے مفاد میں ہے۔ گو کہ مجموعی طور پر وزیراعظم نواز شریف کا دورۂ امریکہ بہت کامیاب رہا ہے۔

وہ جو انگریزی کا مقولہ ہے، ''وہ آیا، اس نے دیکھا اور فتح کر لیا''۔ تو کیا وزیراعظم نواز شریف کے حالیہ دورۂ امریکہ کو محض فوٹو سیشن یا سعیٔ لاحاصل قرار دینے والوں کا خیال بھی یہی تھا کہ وزیرِ اعظم واشنگٹن پہنچیں گے، وائٹ ہاؤس جائیں گے، صدر اوباما سینے پر ہاتھ رکھ کر عرض کریں گے، حکم میرے آقا؟ اور نواز شریف جو چاہیں گے پالیں گے اور یوں عظیم فتح کے پھریرے لہراتے واپس آجائیں گے۔ وقت وقت کی بات ہے 2008ء کے الیکشن کے نتیجے میں مشرف کی زیرِ صدارت پیپلز پارٹی کی حکومت ہی امریکہ کو مطلوب و مقصود تھی۔ این آر او کے پیچھے یہی فلسفہ تھا کہ محترمہ کی عوامی اور مشرف کی عسکری طاقت سے ہی دہشت گردی کے خلاف مؤثر اور فیصلہ کن جنگ لڑی جاسکتی ہے۔ اس حوالے سے جنابِ زرداری کا جوش و جذبہ بے مثال تھا۔ وہ اسے پاکستان ہی کی نہیں، اپنی ذاتی جنگ بھی قرار دیتے کہ دہشت گردوں نے ان کے بچوں کو ماں سے محروم کردیا تھا۔ جنرل کیانی کی اس پیشکش کے باوجود کہ منتخب پارلیمنٹ وار آن ٹیرر کے متعلق ان کی رہنمائی کرے، زرداری، گیلانی حکومت نے اس جنگ کے جملہ حقوق فوج ہی کے نام رہنے دیئے چنانچہ آرمی چیف اور ڈی جی آئی ایس آئی ہی اس حوالے سے بنیادی فیصلے کرتے رہے۔

پینٹا گون اور سی آئی اے والوں سے بھی ان کی
ملاقاتیں ہوتیں۔ امریکی پاکستان کے
سیٹ اپ سے خوش تھے کہ آخری ڈیڑھ، دو برس
میں معاملات نیا رخ اختیار کر گئے۔ ریمنڈ ڈیوس
معاملہ آئی ایس آئی کے تعاون اور رہنمائی میں
''بحسن و خوبی'' حل ہو گیا تھا (مقتولین کے ور
کی دیت پر رضامندی) لیکن تقدیر میں کچھ بر
دن باقی تھے۔ 2 مئی کے ایبٹ آباد واقعے
پیدا ہونے والی کشیدگی ہی کیا کم تھی کہ 26 نومبر
2011ء کو سلالہ چیک پوسٹ پر امریکی حملے
جس میں پاک فوج کے 24 جوان شہید ہوئے
رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ ڈرون حملوں پر
مضطرب پاکستانی قوم کے لئے ہی نہیں، خود پاک
فوج کے لئے بھی یہ کہیں زیادہ ناقابلِ برداشت
تھا۔ چنانچہ امریکیوں سے شمسی ایئر بیس خالی کرا
کے علاوہ (جسے ڈرون حملوں کے لئے استعمال
جاتا تھا) پاکستان کے راستے نیٹو سپلائی بھی روک

CS CamScanner

دی گئی۔ زرداری صاحب نے اپنی حکومت کے آخری دنوں میں پاک ایران گیس پائپ لائن کے معاہدے کے ذریعے پاک امریکہ تعلقات کے حوالے سے نئی حکومت کے لئے کانٹوں کی نئی فصل پیدا کر دی۔ ادھر امریکیوں نے کیری لوگر بل کی نئی قسط اور کولیشن سپورٹ فنڈ کی رقم روک لی تھی۔ پاک امریکہ معاملات کے حوالے سے یہ صورتحال تھی جو گیارہ مئی کے انتخابات کے بعد نئی حکومت کو ورثے میں ملی۔

نواز شریف کی تیسری حکومت کو دہشت گردی کے خلاف جنگ میں پاکستان کے کردار کے علاوہ کئی اور سنگین مسائل بھی درپیش تھے، توانائی کا بحران، تباہ حال معیشت، بری حکمرانی، ہمہ گیر بدعنوانی، بیروزگاری، بدامنی اور خودکش دھماکوں سمیت دہشت گردی کی دیگر کارروائیاں۔ وزیرِاعظم محمد نواز شریف اس کمزور پوزیشن کے ساتھ دنیا کی واحد سپر پاور سے معاملات کرنے نکلے تھے۔ ادھر میڈیا نے حسبِ معمول اس معاملے کو بہت زیادہ اہمیت دی چنانچہ غیر حقیقی خواہشات اور غیر منطقی توقعات کی فصل چارسُو لہرانے لگی۔ امریکہ کے حالیہ سرکاری دورے سے قبل وزیرِ اعظم محمد نواز شریف ستمبر کے آخری عشرے میں یو این جنرل اسمبلی کے اجلاس کے سلسلے میں نیویارک میں تھے۔ اس موقع پر امریکی

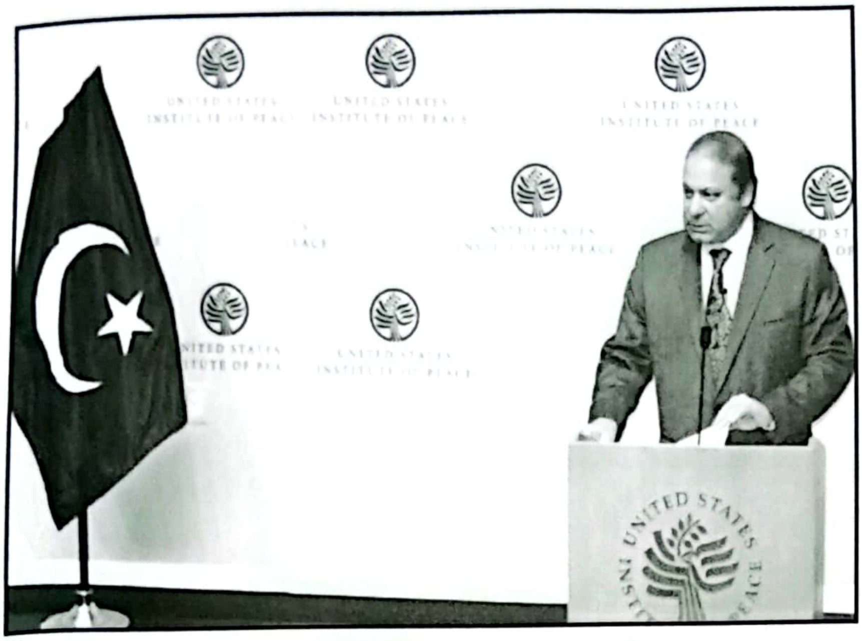

صدر سے مختلف سربراہوں کی ملاقاتیں بھی معمول کا حصہ ہوتی ہیں۔ البتہ ہندوستانی وزیرِ اعظم منموہن سنگھ کے لئے اس بار پذیرائی کا خصوصی اہتمام کیا گیا تھا۔ صدر اوباما سے ملاقات میں انہوں نے پاکستان کے خلاف جی بھر کر زہر اگلا۔ کہا جاتا ہے کہ وزیرِاعظم پاکستان کے لئے صدر اوباما کے پاس بیس منٹ تھے۔ یہ محض فوٹو سیشن ہوتا چنانچہ پاکستان نے شکریئے کے ساتھ معذرت کر لی جس پر وزیرِاعظم پاکستان کو اکتوبر کے آخری عشرے میں امریکہ کے باضابطہ سرکاری دورے کی دعوت دے دی گئی۔

وزیرِاعظم محمد نواز شریف اور امریکی صدر بارک اوباما کے درمیان پہلے وفود کی سطح پر پھر ون آن ون اور پھر دوبارہ وفود کی سطح پر طویل ملاقات ہوئی ہے۔ اس سے قبل وزیرِاعظم محمد نواز شریف جب وائٹ ہاؤس پہنچے تو وائٹ ہاؤس کے قائم مقام چیف آف پروٹوکول نے ان کا استقبال کیا، خیر مقدمی دھنیں بجائی گئیں، صدر اوباما کی معاونت ان کی مشیر سوسن رائس اور وزیرِاعظم محمد نواز شریف کی معاونت معاون خصوصی طارق فاطمی نے کی۔ تیسری بار وزیرِاعظم منتخب ہونے کے بعد یہ نواز شریف کی 14 سال بعد امریکی صدر سے ملاقات تھی۔ ملاقات کے دوران امریکہ پاکستان تعلقات، توانائی، باہمی تجارت، اقتصادی امور میں پیشرفت، علاقائی استحکام، دہشت گردی اور انتہا پسندی کے موضوعات زیر بحث آئے۔ مذاکرات کا دائرہ کار بہت وسیع تھا۔ اس موقع پر دہشت گردی کے خلاف مشترکہ لائحہ عمل طے کرنے پر بھی تبادلہ خیالات ہوا۔ ملاقات کے خاتمے کے بعد وزیرِاعظم محمد نواز شریف اور صدر اوباما دونوں نے مشترکہ بیان پڑھ کر سنایا۔ صدر اوباما نے میڈیا سے گفتگو نہیں کی۔ ملاقات کے بعد

CamScanner

وزیراعظم محمد نواز شریف نے کہا کہ انہوں نے صدر اوباما سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ ڈرون اور میزائل حملے فوری طور پر روکے جائیں۔ یہ پاکستان میں بہت زیادہ غیر مقبول ہیں، انہیں بند کیا جانا چاہیے۔ صدر اوباما کے سامنے مسئلہ کشمیر بھرپور طور پر اٹھایا ہے۔ ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی رہائی کے معاملے پر بھی بات ہوئی۔ وزیراعظم نواز شریف نے صدر اوباما سے ملاقات کے حوالے سے میڈیا کو بتایا کہ امریکی صدر کے ساتھ ملاقات میں ڈرون کا معاملہ اٹھایا۔ وزیراعظم نے پاکستان میں ڈرون حملے بند کرنے پر زور دیا۔ صدر اوباما نے اس معاملے پر بات چیت کی یقین دہانی کرائی ہے۔ کشمیر پر بات چیت ہوئی۔ ملاقات میں توانائی کے بحران اور معیشت مستحکم کرنے پر بھی بات ہوئی۔ صدر اوباما نے کہا کہ پاکستان میں امریکہ بہت سے اقتصادی منصوبے شروع کرنا چاہتا ہے۔ افغانستان میں امن وامان کی صورتحال بھی زیر بحث آئی۔ دونوں رہنماؤں نے اتفاق کیا کہ افغانستان میں امن کے لئے دونوں ممالک جو کچھ کر سکتے ہیں وہ کریں گے۔ وزیراعظم نے صدر اوباما کو یقین دہانی کرائی کہ دہشت گردوں کے خلاف کارروائی جاری رہے گی۔ وزیراعظم نے کہا کہ ہم بھارت کے ساتھ کشمیر سمیت تمام تنازعات کا مذاکرات سے حل چاہتے ہیں۔ ملاقات میں پاکستان میں توانائی اور اقتصادی معاملات پر بات چیت ہوئی۔ صدر اوباما نے کہا کہ پاکستانی حکام سے بات چیت کر کے بہت خوشی ہوئی، پاکستان بہت اہم سٹریٹجک پارٹنر ہے۔ ہم نے مشترکہ مفادات پر بات چیت کی ہے۔ بات چیت کے اگلے راؤنڈ میں وسیع البنیاد ایشوز پر بات چیت ہو گی۔ میں نے وزیراعظم نواز شریف کو بتایا کہ ہم پرامن، خوشحال اور محفوظ پاکستان پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ پاکستان اور علاقے کے لئے بھی اچھا ہے۔ وزیراعظم نواز شریف نے پاکستان میں توانائی کے بحران پر بات کی اور کہا کہ پاکستان میں جمہوریت کا پرامن انتقال اقتدار خوش آئند ہے۔ جنگ کے بعد کا افغانستان پاکستان کے لئے بہتر ہو گا۔ پاکستان کے عوام جمہوریت چاہتے ہیں، توانائی اور انفراسٹرکچر کی ترقی میں پاکستان کی مدد کے لئے تیار ہیں۔ دہشت گردی سے پاکستان کا سب سے زیادہ نقصان ہوا۔ امریکہ پاکستان کی خودمختاری کی عزت کرتا ہے۔ انہوں نے تاہم

CamScanner

ڈرون حملوں کا ذکر نہیں کیا۔ نواز شریف پاکستان میں توانائی بحران اور بیروزگاری پر بہت پریشان ہیں۔ پاکستان کی معیشت پر بھی تفصیل سے بات ہوئی۔ پاکستان کو امریکہ سٹریٹجک پارٹنر سمجھتا ہے۔ مستحکم افغانستان پاکستان اور امریکہ کیلئے ضروری ہے۔ دہشت گردی کیخلاف امریکی اقدامات پاکستان سے بہتر تعلق کیلئے ہیں۔ پاکستان اور امریکہ کی عوام نے ماضی میں دہشت گردی کا سامنا کیا ہے۔ پاکستان میں دہشت گردی کی وجوہات کو کم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ صدر بارک اوباما نے کہا کہ ہم وزیراعظم نواز شریف کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ امریکہ پاکستان کی خودمختاری اور سلامتی کا احترام کرتا ہے۔ نواز شریف سے ملاقات اچھی رہی۔ پاکستان کا اہم سٹریٹجک مقام ہے۔ پاکستان کے ساتھ انرجی، انفراسٹرکچر کے شعبوں میں تعاون کیلئے تیار ہیں۔ پاکستان میں پُرامن انتقال اقتدار خوش آئند ہے اور یہ جمہوریت کے فروغ کیلئے اہم سنگ میل ہے۔ دہشت گردی کے خلاف ہمارے اقدامات پاکستان سے بہتر تعلقات کیلئے ہیں۔ وزیراعظم نواز شریف نے کہا کہ معیشت، توانائی، تعلیم اور انتہاپسندی سے نمٹنا ہماری ترجیح ہے۔ پاکستان اور امریکہ کا ساتھ ہے۔ صدر اوباما سے ملاقات میں دوطرفہ معاملات پر بات چیت ہوئی۔ عافیہ صدیقی کا معاملہ اٹھایا ہے۔ بارک اوباما سے مسئلہ کشمیر پر بات ہوئی۔ دونوں ممالک میں تعلقات مضبوط کرنے پر اتفاق ہوا۔ وزیراعظم نے صدر اوباما اور ان کی اہلیہ مشعل اوباما کو پاکستان کے دورے کی دعوت دی۔

ذرائع کے مطابق وزیراعظم نواز شریف نے ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی رہائی کا مسئلہ بھی اٹھایا۔ ان ذرائع کے مطابق صدر اوباما نے پاکستانی سرزمین پر دہشت گردی اور اس کے خاتمے کے لئے پاکستان کے تعاون، سکیورٹی امور، افغانستان میں مفاہمتی عمل کے بارے میں پاکستان کے کردار ادا کرنے کے حوالے سے بات کی۔ واضح رہے کہ جذبہ خیر سگالی کے طور پر امریکہ پاکستان کی امداد کی بحالی کا پہلے ہی اعلان کر چکا ہے۔ امریکی محکمہ

خارجہ کے ترجمان کے مطابق دونوں رہنماؤں کے درمیان سکیورٹی امور پر بھی بات ہوئی۔ نواز شریف جب وائٹ ہاؤس پہنچے تو امریکی صدر اوباما نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ امریکی محکمہ خارجہ نے نواز اوباما ملاقات کے حوالے سے کہا ہے کہ امریکی حکام کو وزیراعظم نواز شریف سے ملاقات کا انتظار تھا۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ پاکستان اور امریکہ کے مشترکہ دشمن کے خلاف ہے۔ پاکستان کے ساتھ امریکہ کے مضبوط تعلقات ہیں، پاکستان کے ساتھ اچھے تعلقات چاہتے ہیں۔ پاکستان کے ساتھ اچھے تعلقات کا قیام اعلیٰ سطح مذاکرات سے ممکن ہے۔ اسامہ تک انٹیلی جنس اطلاعات کے ذریعے رسائی حاصل کی۔

امریکی صدر بارک اوباما اور وزیراعظم نواز شریف کی ملاقات کے بعد مشترکہ اعلامیہ جاری کیا گیا جس کے مطابق دونوں رہنماؤں میں مختلف معاملات پر تبادلہ خیال ہوا جس میں دونوں ملکوں کے اشتراک اور باہمی مفاد اور احترام کے حوالے سے بات ہوئی۔ دونوں رہنماؤں نے دوستانہ تعلقات کے فروغ پر زور دیا اور اس بات پر اتفاق کیا گیا کہ تعلقات کے فروغ کی بنیاد باہمی احترام ہونا چاہئے۔ پاکستان کی معاشی صورتحال، علاقائی اور دنیا کے امن کے حوالے سے اشتراک پر بھی بات ہوئی۔ انسداد دہشت گردی کے حوالے سے اقدامات پر بھی بات ہوئی۔ اوباما نے علاقائی امن میں اہم کردار ادا کرنے پر پاکستان کی تعریف کی اور کہا کہ پاکستان امریکہ کا دیرینہ شراکت دار ہے اور خطے میں امن کیلئے اس کا کردار اہم ہے۔

اوباما نے نواز شریف کو تیسری بار وزیراعظم بننے اور جمہوری عمل کے فروغ پر مبارکباد دی۔ دونوں رہنماؤں نے سٹریٹجک مذاکرات پر زور دیا اور کہا کہ مذاکرات امن اور دیرپا تعلقات کے لئے انتہائی ضروری ہیں۔ دونوں ملکوں کے افراد میں تعلقات بڑھانے پر بھی اتفاق ہوا۔ وزیراعظم نے معیشت، توانائی، سکیورٹی اور ترقی کے حوالے سے اپنی حکومت کے اقدامات سے آگاہ کیا۔ بارک اوباما نے ملکی ترقی کیلئے جاری منصوبوں میں تعاون کی یقین دہانی کرائی۔ دونوں رہنماؤں نے توانائی بحران کے خاتمہ کیلئے مل کر کام کرنے پر بھی اتفاق کیا اور امریکہ اس میں بھرپور مدد کرے گا۔ وزیراعظم نواز شریف نے باہمی تجارت اور پاکستان میں امریکی سرمایہ کاری بڑھانے پر زور دیا۔ دونوں ملکوں میں سائنس و ٹیکنالوجی کے حوالے سے 2003ء میں ہونے والے معاہدے پر اعتماد کا اظہار کیا گیا۔ ملاقات میں دفاعی تعاون بڑھانے پر بھی اتفاق کیا گیا۔ نواز شریف نے انتہا پسندی کے خاتمے میں امریکہ کی مدد پر شکریہ ادا کیا۔ دونوں رہنماؤں نے دہشت گردی کے

CS CamScanner

مذمت کی۔ وزیراعظم نے کہا کہ ترقی کیلئے دہشت گردی کو شکست دینا ضروری ہے۔ وزیراعظم نواز شریف اور بارک اوباما میں نیوکلیئر دہشت گردی کے حوالے سے بھی بات ہوئی اور وزیراعظم نے کہا کہ پاکستان ایک ذمہ دار ملک ہے۔ دونوں رہنماؤں نے امن کیلئے مل کر کام کرنے پر اتفاق کیا۔ دونوں رہنماؤں نے تاپی گیس منصوبے کے حوالے سے بھی بات کی۔ وزیراعظم نے کہا کہ پرامن افغانستان پاکستان کے مفاد میں ہے۔ دونوں رہنماؤں نے پاکستان اور بھارت کے تعلقات میں بہتری پر زور دیا۔ اوباما نے وزیراعظم کا امریکہ دورہ کرنے پر شکریہ ادا کیا۔

امریکی صدر بارک اوباما سے ملاقات سے قبل وزیراعظم نواز شریف نے ناشتہ پر امریکی نائب صدر جو بائیڈن سے ملاقات کی جس میں توانائی اور تجارت سمیت مختلف شعبوں میں دوطرفہ تعاون کو فروغ دینے پر اتفاق ہوا، افغان مفاہمتی عمل کی کامیابی کیلئے سہ فریقی تعاون اور ہم آہنگی کو فروغ دینے کا عزم ظاہر کیا گیا، دوطرفہ تعلقات کو فروغ دینے کیلئے مذاکرات کے عمل کا جائزہ لیا گیا۔ دونوں رہنماؤں نے دہشت گردی اور انتہا پسندی کے خاتمے کیلئے باہمی تعاون کو فروغ دینے پر اتفاق کیا۔ وائٹ ہاؤس سے جاری بیان کے مطابق بائیڈن نے کہا کہ پاکستان اور امریکہ کے باہمی تعاون سے دہشت گردی کو ختم کر کے علاقائی اور عالمی امن و استحکام کے حوالے سے مشترکہ اہداف کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جو بائیڈن نے نواز شریف کو مئی کے تاریخی انتخابات میں کامیابی اور تیسری بار وزیراعظم بننے پر مبارکباد دی۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان میں پرامن انتقال اقتدار اور جمہوری طریقے سے حکومت کی تبدیلی خوش آئند ہے۔ امریکہ پاکستان کے ساتھ دوطرفہ تعلقات کو مضبوط کرنا چاہتا ہے، دوست ملک میں امن، خوشحالی اور جمہوریت کی مضبوطی کا خواہشمند ہے۔

امریکہ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں پاکستانی حکومت، عوام اور سکیورٹی فورسز کی قربانیوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ انہوں نے علاقائی امن و استحکام کے حوالے سے وزیراعظم نواز شریف کی قائدانہ صلاحیتوں کی بھی تعریف کی اور کہا کہ امریکہ پاکستان کے ساتھ تعلقات کو خصوصی اہمیت دیتا ہے۔ ملاقات میں دونوں ملکوں نے تجارت، سرمایہ کاری، توانائی، تعلیم، سائنس و ٹیکنالوجی کے شعبے میں دوطرفہ تعاون بڑھانے سمیت عوامی رابطوں کو فروغ دینے کی ضرورت پر اتفاق کیا۔ دونوں رہنماؤں نے مختلف شعبوں میں تعاون سمیت علاقائی امن، استحکام سمیت اہم عالمی امور پر بھی تبادلہ خیال کیا، دوطرفہ تعلقات کے فروغ کیلئے سٹریٹیجک مذاکرات کے عمل کا جائزہ لیا۔ ملاقات میں افغانستان میں امن اور مفاہمتی عمل پر بھی تبادلہ خیال ہوا۔ وزیراعظم نواز شریف نے اس موقف کا اعادہ کیا کہ پاکستان افغانستان میں

مفاہمتی عمل کی حمایت کرتا ہے، اس ضمن میں تعاون جاری رکھا جائے گا۔ پاکستان افغانستان میں افغانوں کی شراکت داری اور قیادت میں مفاہمتی عمل کی حمایت کرتا ہے، اس کی کامیابی کیلئے اپنا کردار ادا کرتا رہے گا۔ دونوں رہنماؤں نے افغان مفاہمتی عمل کی کامیابی کیلئے پاکستان امریکہ اور افغانستان کے درمیان تعاون اور ہم آہنگی کو فروغ دینے پر تبادلہ خیال کیا۔ وزیراعظم نوازشریف نے ڈرون حملوں سے متعلق پاکستان کے موقف کو دہراتے ہوئے کہا کہ یہ حملے نہ صرف پاکستان کی داخلی سلامتی، خودمختاری اور عالمی قوانین کے منافی ہیں بلکہ پاکستان اور امریکہ کے تعلقات اور دہشت گردی کے خاتمے میں بھی رکاوٹ بن رہے ہیں۔ ڈرون حملے پاکستانی عوام میں اشتعال کا باعث ہیں انہیں بند ہونا چاہئے۔ پاکستان امریکہ کے ساتھ باہمی احترام اور برابری کی بنیاد پر تعلقات چاہتا ہے۔ ہم امداد نہیں، تجارت پر یقین رکھتے ہیں، امریکہ پاکستان میں معاشی استحکام کیلئے منڈیوں تک رسائی دے۔ اس موقع پر وزیرخزانہ اسحاق ڈار، مشیر خارجہ سرتاج عزیز، معاون خصوصی طارق فاطمی اور سیکرٹری خارجہ جلیل عباس جیلانی بھی موجود تھے۔ وزیراعظم نوازشریف نے کہا کہ پاکستان افغان عمل کی حمایت جاری رکھے گا۔ پاکستان امریکہ کیساتھ برابری کی سطح پر تعلقات چاہتا ہے۔ ملاقات میں پاکستان کو درپیش معاشی اور سکیورٹی چیلنجز، پاکستان امریکہ تعلقات، خطے کی سکیورٹی کی صورتحال سمیت اہم علاقائی اور بین الاقوامی امور پر تبادلہ خیال کیا گیا۔ وزیراعظم نے امریکی نائب صدر کو پاکستان کو درپیش معاشی اور سکیورٹی چیلنجز سے آگاہ کیا۔ جو بائیڈن کا کہنا تھا کہ امریکہ پاکستان سے اپنے تعلقات کو بڑی اہمیت دیتا ہے۔ دہشت گردی کیخلاف پاکستان کا کردار بہت اہمیت کا حامل ہے۔ دونوں رہنماؤں نے اس امید کا اظہار کیا کہ امریکی صدر سے ملاقات کے دونوں ملکوں کے تعلقات اور علاقائی و عالمی صورتحال پر مثبت اثرات پڑیں گے۔ وزیراعظم نوازشریف اور جو بائیڈن میں ہونیوالی ملاقات میں توانائی سمیت مختلف شعبوں میں تعاون کو فروغ دینے پر اتفاق ہوا۔ افغان مفاہمتی عمل کی کامیابی کیلئے سہ فریقی ہم آہنگی کو فروغ دینے کا عزم ظاہر کیا گیا۔ وزیراعظم نے کہا کہ ڈرون حملے باہمی تعلقات کی راہ میں رکاوٹ ہیں، انہیں بند کیا جائے۔ جو بائیڈن نے کہا کہ باہمی تعاون کو فروغ دیکر مشترکہ اہداف حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ قونصلر امریکی سفارتخانہ انجلا پی ایگلر نے کہا ہے کہ وزیراعظم نوازشریف کے دورہ امریکہ سے امریکی سفارتی عملہ خوش ہے۔ یہ دورہ امریکہ رشتوں اور شراکت داری کو مضبوط بنائیگا۔ وزیراعظم نوازشریف کا دورہ امریکہ اہم پیشرفت ہے۔ امریکی ایوان نمائندگان کی خارجہ امور کی کمیٹی کے سربراہ ایڈ روئس نے وزیراعظم میاں نوازشریف سے ملاقات کی ایڈروئس کے دفتر سے جاری بیان میں کہا گیا ہے کہ انہوں نے امریکی ایوان نمائندگان میں دونوں جماعتوں کے رہنماؤں کے ساتھ نوازشریف سے ملاقات کی جس میں 15 ارکان شامل تھے۔ ایوان کی خارجہ امور کی کمیٹی نے میاں نوازشریف سے کھل کر تمام معاملات پر بات چیت کی۔ وزیراعظم نوازشریف سے کہا گیا کہ وہ اس بات کو یقینی بنائیں کہ پاکستان دہشت گردی، جوہری ہتھیاروں کے عدم پھیلاؤ اور خطے میں پُرتشدد شدت پسندی کے خلاف جنگ میں امریکہ کا مؤثر ساتھی بنے۔ علاقائی تجارت اور امریکہ کے ساتھ وسیع تجارتی تعلقات کے علاوہ تعلیمی اصلاحات کی بات بھی کی گئی۔ وزیراعظم نوازشریف نے امریکہ پر واضح کیا کہ پاکستانی فوج بھارت یا افغانستان میں کسی بھی کارروائی میں ملوث نہیں، پاکستان مستقبل میں امریکہ کے ساتھ پائیدار اور وسیع البنیاد دفاعی تعاون کا خواہاں ہے۔ ملاقات میں پاکستان، امریکہ تعلقات، دہشتگردی کے خلاف جنگ، شکیل آفریدی، ڈرون حملوں سمیت مختلف امور زیرغور آئے۔ وزیراعظم کے

ساتھ وزیر خزانہ اسحاق ڈار، خارجہ سیکرٹری جلیل عباس جیلانی، قومی سلامتی اور خارجہ امور کے مشیر سرتاج عزیز اور دوسرے اعلیٰ سطح کے اہلکار شامل تھے۔ ارکان کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے وزیراعظم نواز شریف نے واضح کیا کہ پاکستانی فوج بھارت یا افغانستان میں کسی بھی کارروائی میں ملوث نہیں ایسے الزامات لگانے والے کون ہیں ان کے بارے میں بتایا جائے؟ نواز شریف کے سوال پر امریکی ارکان کانگرس خاموش رہے۔ وزیراعظم نے کہا کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں پاکستان کے چالیس ہزار افراد شہید ہوئے اتنی قربانیاں کسی اور ملک نے نہیں دیں۔ پاکستانی قوم امن سے رہنا چاہتی ہے۔ ڈرون حملے انتہائی اہم معاملہ ہیں۔ یہ حملے پاکستانی عوام کیلئے انتہائی تکلیف دہ ہیں۔ پاکستانی سفارتخانہ سے جاری بیان میں کہا گیا ہے کہ وزیراعظم کے ساتھ ملاقاتوں میں امریکہ کے دفاعی وفد میں ڈپٹی سیکرٹری دفاع ایشٹن کارٹر، چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف جنرل مارٹن ڈیمپسی اور دیگر اعلیٰ عہدیدار شامل تھے۔ وزیراعظم محمد نواز شریف نے دوطرفہ دفاعی تعاون میں تیزی سے اضافہ کے رجحان پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے توقع ظاہر کی کہ طرفین مشترکہ مقاصد کے حصول کیلئے مل کر کام جاری رکھیں گے۔ انہوں نے امریکی دفاعی قیادت کو بتایا کہ پاکستان مستقبل میں امریکہ کے ساتھ پائیدار اور وسیع البنیاد دفاعی تعاون کا خواہاں ہے۔ ڈاکٹر ایشٹن کارٹر نے اس بات پر اطمینان کا اظہار کیا کہ گراؤنڈ لائنز آف کمیونیکیشن (جی ایل او سیز) پاکستان کے راستے امریکی/ایساف کی کارگو سروس کو نقل و حمل میں تمام سہولیات فراہم کی جا رہی ہیں۔ دونوں اطراف نے قرار دیا کہ دیسی ساختہ دھماکہ خیز آلات کے انسداد، دہشت گردی پر قابو پانے اور سرحدوں پر افغانستان اور بین الاقوامی امن فورس (ایساف) کے ساتھ رابطہ کے میکنزم کے شعبوں میں بڑی پیش رفت ہوئی ہے۔ وزیراعظم نواز شریف نے کانگرس کے ارکان کی توجہ ڈرون حملوں کی طرف دلائی اور پاکستان کی تشویش سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ یہ حملے دونوں ملکوں کے تعلقات کی راہ میں رکاوٹ ہیں یہ دہشت گردی کے خاتمے میں منافع بخش ثابت نہیں ہو رہے۔ ایڈ رائس نے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں پاکستانی عوام کی قربانیوں کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ مشترکہ مقاصد کے حصول کیلئے پاکستان اور امریکہ کے عوام کے درمیان مضبوط تعلقات انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔ اس موقع پر سوال و جواب کی نشست بھی ہوئی۔ ملاقات کے بعد صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے امریکی امور خارجہ کمیٹی کی رکن ایلیٹ اینجل نے کہا کہ پاکستان اور امریکہ کو ایک

CamScanner

دوسرے کی ضرورت ہے، دونوں ملکوں کے تعلقات میں بہتری اچھی پیشرفت ہے، وزیراعظم کے دورے کا مرکزی خیال معیشت ہے۔ وزیراعظم نواز شریف سے امریکہ کی سابق وزیر خارجہ میڈلین البرائٹ نے بھی ملاقات کی جس میں دوطرفہ تعلقات، باہمی دلچسپی کے اموراور خطے کی صورت حال پر تبادلہ خیال کیا گیا۔ نواز شریف سے عالمی بینک کے صدر جم یانگ کم نے بھی ملاقات کی اور داسوڈیم کی تعمیر کے لئے فنڈ فراہم کرنے کا یقین دلایا۔ ملاقات میں پاکستان کی اقتصادی صورت حال اور مختلف شعبوں میں عالمی بینک کے تعاون پر تبادلہ خیال کیا گیا۔ ان ملاقاتوں میں وزیراعظم کی معاونت وزیرخزانہ اسحاق ڈار، مشیر خارجہ اور قومی سلامتی سرتاج عزیز، معاون خصوصی طارق فاطمی اور سیکرٹری خارجہ جلیل عباس جیلانی نے کی۔ ملاقات میں دونوں رہنماؤں نے ملکر کام جاری رکھنے، افغان عمل کیلئے مشترکہ کوششیں جاری رکھنے پر اتفاق کیا گیا۔ تجارت، توانائی اور تعلیم سمیت مختلف شعبوں میں تعاون بڑھانے پر اتفاق ہوا۔ دریں اثناء پاکستان اور امریکہ کے درمیان سائنس اینڈ ٹیکنالوجی کے شعبہ میں تعاون کا معاہدہ ہوا ہے۔ سیکرٹری خارجہ جلیل عباس جیلانی نے پاکستان کی جانب سے معاہدے پر دستخط کئے۔ معاہدے کے مطابق سائنس وتحقیق کے 83 منصوبوں میں تعاون کیا جائیگا۔

وزیراعظم کے مشیر امور خارجہ جناب سرتاج عزیز نے دورے کے آغاز سے قبل ہی کہہ دیا تھا کہ اس میں کسی بڑے بریک تھرو کی توقع نہ کی جائے لیکن اس دورے میں برف پگھلی ہے اور اچھی خاصی پگھلی ہے۔ جل تھل کا ساں تو نہیں لیکن فضا میں خوشگوار تبدیلی اور اچھی خاصی تبدیلی اندھوں کو بھی نظر آ رہی ہے۔ صدر اوباما سے ملاقات سمیت ہر جگہ وزیراعظم کا خیر مقدم بڑا بھرپور تھا۔ جاں بلب معیشت کے لئے نئی زندگی پاکستان کا اہم ترین مسئلہ ہے اور اس کے لئے سرمایہ کاری اشد ضروری۔ لیکن یہ کام ایسا آسان نہیں۔ توانائی کے بحران، پیداواری مصارف میں بے پناہ اضافہ، دہشت گردی اور امن وامان کی بری صورتحال میں سرمایہ کاری ایک بڑا سوالیہ نشان ہے لیکن وزیر اعظم نے ہمت نہیں ہاری۔ چنانچہ پاک امریکہ اسٹریٹیجک مذاکرات کے لئے جو پانچ ورکنگ گروپس بنانے پر اتفاق ہوا ان میں سلامتی اور دفاع کے علاوہ توانائی سمیت معاشی اور مالی شعبوں میں تعاون کے گروپس بھی شامل ہیں۔ بعض ناقدین نے یہ بے پرکی بھی اڑائی کہ وزیرِاعظم نے عافیہ صدیقی کا مسئلہ نہیں اٹھایا جب کہ خود امریکی ترجمان کا کہنا تھا کہ انہوں نے عافیہ کے بارے میں کہا اور ہم نے سن لیا۔ امریکی اس کے جواب میں شکیل آفریدی کی رہائی اور اسے امریکہ بھجوانے کی بات کرتے ہیں (اگرچہ ان دونوں کا کوئی موازنہ نہیں) وزیراعظم نے ڈرون حملوں کا معاملہ بھی پوری شدت سے اٹھایا۔ حقیقت یہ ہے کہ نواز شریف اور ان کی حکومت نے ڈرون حملوں کی مخالفت کو ایک مہم بنا دیا ہے۔ وہ شروع سے ہی ان کی مخالفت کر رہے ہیں۔ اب اپنی وزارتِ عظمیٰ میں بھی پوری شدت کے ساتھ یہ بات کر رہے ہیں۔ انہوں نے گزشتہ ماہ یو این جنرل اسمبلی کے اجلاس میں بھی اس پر دوٹوک بات کی چنانچہ یہ اب عالمی سطح پر ایک معقول اور مقبول مطالبہ بنتا جا رہا ہے۔ خود امریکہ اور یورپ کے انصاف پسند حلقے بھی اس کی حمایت کر رہے ہیں۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل کی تازہ رپورٹ سے بھی پاکستان کے موقف کو تقویت ملی ہے۔ گزشتہ روز چین، برازیل اور وینزویلا نے بھی اس پر احتجاج کیا۔ اقوامِ متحدہ کے ذیلی ادارے بھی ڈرون حملوں میں شفافیت کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ فیض یاد آئے۔

ہم نے جو طرزِ فغاں کی تھی قفس میں ایجاد
فیض گلشن میں وہی طرزِ ادا ٹھہری ہے

CS CamScanner

قیوم نظامی

پاکستان ریلوے کا بحالی کی جانب سفر

انگریزوں نے متحدہ ہندوستان میں عوام کی سفری سہولتوں کے لیے ریلوے کا جال بچھا دیا تھا۔ لوگ کم وقت اور مناسب کرائے پر ایک جگہ سے دوسری جگہ پر پہنچ جاتے تھے۔ عوام کو سفر کی سہولتیں فراہم کرنا حکومت کی بنیادی ذمے داری ہے۔ قائداعظمؒ نے پاکستان کی تحریک ریلوے پر سفر کر کے ہی چلائی تھی۔ قائداعظمؒ ریل کے سفر کے دوران اپنے لئے دو برتھیں مخصوص کرایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے ان سے وجہ دریافت کی تو جواب میں انہوں نے یہ واقعہ سنایا ''میں پہلے ایک ہی برتھ مخصوص کراتا تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے میں لکھنؤ سے بمبئی جا رہا تھا۔ کسی چھوٹے سے اسٹیشن پر ریل رکی تو ایک اینگلوانڈین لڑکی میرے ڈبے میں آ کر دوسری برتھ پر بیٹھ گئی۔ چونکہ میں نے ایک ہی برتھ مخصوص کرائی تھی اس لیے خاموش رہا۔ ریل نے رفتار پکڑی تو اچانک وہ لڑکی بولی تمہارے پاس جو کچھ ہے فوراً میرے حوالے کردو ورنہ میں ابھی زنجیر کھینچ کر لوگوں سے کہوں گی کہ یہ شخص میرے ساتھ زبردستی کرنا چاہتا ہے۔ میں نے کاغذات سے سر ہی نہیں اُٹھایا۔ اس نے پھر اپنی بات دہرائی میں پھر خاموش رہا۔ آخر تنگ آ کر اس نے مجھے جھنجھوڑا تو میں نے سر اُٹھایا اور اشارے سے کہا ''میں بہرہ ہوں، مجھے کچھ سنائی نہیں دیتا جو کچھ لکھنا ہے لکھ دو''۔ اس نے اپنا مدعا کاغذ پر لکھ کر میرے حوالے کردیا۔ میں نے فوراً زنجیر کھینچ دی اور اسے مع تحریر ریلوے حکام کے حوالے کردیا۔ اس دن کے بعد سے میں ہمیشہ دو برتھیں مخصوص کراتا ہوں'' (سید ہاشم رضا)

قیام پاکستان کے بعد ہمارے حکمران کراچی سے پشاور تک ریلوے کو ڈبل ٹریک نہ کر سکے یہی ریلوے کا المیہ ہے۔ انگریزوں نے جو قومی ادارے بنائے تھے ہمارے سیاستدان اور بیوروکریٹ ان اداروں کو مضبوط اور مستحکم بنانے کے بجائے ان کو مال غنیمت سمجھ کر لوٹنے لگے۔ ریلوے منافع بخش ادارہ تھا کرپشن کی وجہ سے

قومی خزانے پر بوجھ بن گیا۔ ریلوے کی اربوں روپے کی زمینوں پر ناجائز قبضے کرائے گئے۔ وفاقی حکومت نے ہر سال ریلوے کی بحالی کے لیے اربوں روپے کا پیکج دیا مگر بدنیتی اور مفاد پرستی کی بناء پر ریلوے اس حد تک زوال پذیر ہوگیا کہ مال گاڑیاں اور 115 پسنجر ٹرینیں منسوخ کردی گئیں۔ سپریم کورٹ کے احکامات اور نیب کے اقدامات بھی ریلوے میں کرپشن کو کنٹرول نہ کر سکے۔ مالی حالت اس حد تک تشویشناک ہوگئی کہ ریلوے کے پاس اپنے ملازمین کو تنخواہیں دینے کے لیے پیسے نہیں تھے۔ ملازمین نے اپنے حق کے لیے ہڑتال کر کے احتجاج کیا مگر بے حس حکمرانوں نے ریلوے کی اصلاح کے لیے سنجیدہ کوشش نہ کی۔ رفتہ رفتہ ریلوے کی حالت اس قدر دگرگوں ہوگئی کہ اس کی نجکاری کی بازگشت سنائی دینے لگی۔ اگر پاکستان میں احتساب کا صاف شفاف اور مؤثر نظام موجود ہوتا تو ریاست کے قومی ادارے کبھی دیوالیہ نہ ہوتے۔

انتخابات کے بعد خواجہ سعد رفیق نے ریلوے کے سنگین چیلنج کے باوجود ریلوے کی وزارت قبول کی۔ خواجہ سعد رفیق ایک شہید کے لخت جگر اور متوسط طبقے کے ہونہار پرجوش اور سرگرم نوجوان ہیں۔ دھرتی سے ان کی حب الوطنی لازوال ہے۔ عوام سے ٹوٹ کر پیار کرتے ہیں انہوں نے تین ماہ شب و روز محنت کر کے ریلوے کو مزید زوال سے روک کر بحالی کی جانب سفر کا آغاز کر دیا ہے۔ انگریزی کا محاورہ ہے۔ ''جہاں خواہش ہوتی ہے وہاں راستہ نکلتا ہے''۔ خواجہ سعد رفیق نے نیک نیتی اور عزم سے کام لے کر اس محاورے پر عمل کر دکھایا ہے۔

خواجہ سعد رفیق نے اپنے منصب کا حلف اُٹھانے کے بعد ریلوے کے افسروں کو دوٹوک انداز میں باور کرا دیا کہ پرانا دور ختم ہو چکا نئے دور کے نئے تقاضوں کے سامنے سر تسلیم خم کر دو۔ اس واضح پیغام کا مثبت نتیجہ برآمد ہوا اور ریلوے نے گزشتہ دور کے مقابلے میں 110 دنوں میں 2 ارب 18 کروڑ 93 لاکھ روپے زیادہ کمائے۔ مال گاڑیوں کی تعداد روزانہ 8 سے 20 تک پہنچ گئی۔ پرانے لوکوموٹیوز درست کیے گئے۔ سکریپ کی فروخت کے لیے شفاف پالیسی مرتب کی گئی۔ وفاقی وزیر خود ریلوے پر سفر کرنے لگے تاکہ مسافروں کی مشکلات کا جائزہ لے سکیں۔ گاڑیوں کی بروقت آمد و رفت کو یقینی بنایا گیا۔ ریلوے کے کرایوں میں بتدریج کمی کی گئی۔ عید کے موقع پر خصوصی ٹرینیں چلا کر اور 25 فیصد کرائے کم کر کے مسافروں کو ریلیف دیا گیا۔ خواجہ سعد رفیق نے پریس بریفنگ کر کے مسافروں اور ملازمین کا اعتماد بحال کیا۔ انہوں نے ایک سیاسی مجاہد کی طرح اعلان کیا کہ اگر ریلوے کی نجکاری کی گئی تو وہ وزارت سے مستعفی ہو جائیں گے۔ بددیانت اور نااہل حکمران قومی اداروں کی اصلاح کے بجائے ان کی نجکاری کے فیصلے کرتے ہیں۔ گو پہلے ادارے کو لوٹ لو اور بعد میں اس کی نجکاری کر کے کک بیکس وصول کرلو۔ خواجہ سعد رفیق نے اپنی پارٹی کی قیادت اور قوم کو یقین دلایا ہے کہ وہ ریلوے کو منافع بخش ادارہ بنا کر دم لیں گے۔ خواجہ سعد رفیق اگر ریلوے کو منافع بخش ادارہ بنانے میں کامیاب ہوگئے تو وہ تاریخ کی قابل تقلید اور روشن مثال بن جائیں گے۔ مسلم لیگ (ن) اور میاں نواز شریف اس کامیابی کو اگلے انتخابات میں مارکیٹ کر سکیں گے۔ وفاقی حکومت خواجہ سعد رفیق سے بھرپور تعاون کر رہی ہے۔ اگر میاں نواز شریف کو خواجہ سعد رفیق جیسے سپوت میسر آجائیں تو پاکستان ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہوسکتا ہے۔ محب الوطن معاشی ماہرین کے مطابق پاکستان میں ترقی کے امکانات موجود ہیں اگر پاکستان کو چلانے والے نیک نیت، اہل اور پرعزم ہوں تو پاکستان بھی ترقی یافتہ ممالک کی صف میں شامل ہوسکتا ہے۔ خواجہ سعد رفیق کی مثال سے ثابت ہوا کہ اگر وفاقی وزراء کو مکمل اختیارات دیئے جائیں اور ان کے کام میں کسی قسم کی مداخلت نہ کی جائے تو وہ حیرت انگیز کام بھی کر سکتے ہیں۔ اگر خواجہ سعد رفیق اسی جوش و جذبے کے ساتھ اپنے کام میں مگن رہے اور ان کی وزارت میں کسی قسم کی مداخلت نہ کی گئی تو یقینی طور پر پاکستان ریلوے ایک بار پھر پاکستان کا ایک کامیاب اور ماڈل ادارہ بن جائے گا۔

CS CamScanner

افتتاحی تقریب

وزیر اعظم یوتھ بزنس لون

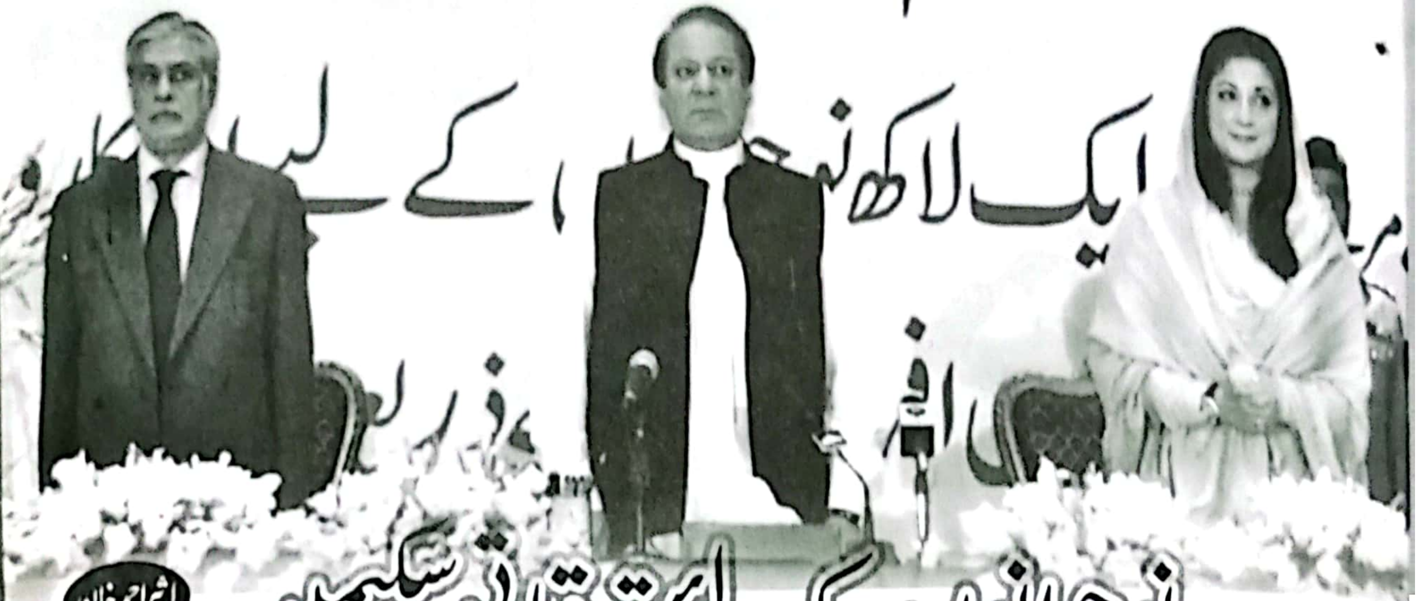

نوجوانوں کے لئے ترقیاتی سکیمیں

اثیر احمد خان

کسی بھی ملک کے نوجوان اُس کی افرادی قوت ہوتے ہیں۔ ملک کی اقتصادی ترقی اور درخشاں مستقبل کیلئے قوم کو اپنے جوانوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دینی پڑتی ہے، اس کے علاوہ اُن کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کیلئے درست سمت کا تعین بھی بے حد ضروری ہوتا ہے۔ مغرب اور یورپ میں جب نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کا آغاز ہوتا ہے تو ساتھ ہی ان کی سمت کا تعین بھی کر دیا جاتا ہے تا کہ انھیں پتہ ہو کہ آنے والے وقت میں انھوں نے کرنا کیا ہے۔ ترقی یافتہ ملکوں کے تعلیمی نظام کا فوکس اس بات پر ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ نوجوانوں کو ہنر مند بنایا جائے اور ان کی صلاحیتوں کو معاشرے کیلئے سود مند طریقے سے استعمال کیا جا سکے۔

گزشتہ کئی برسوں سے ہمارا ملک ارباب اختیار کی بے اعتنائی سے دہشت گردی، کرپشن کے میگا سکینڈل، نااہل انتظامی ڈھانچے اور اقتصادی منصوبہ بندی کی زبوں حالی جیسے مسائل کا شکار رہا ہے۔ اسی بناً پر نوجوانوں کیلئے نئے روزگار اور ترقی کے مواقع پیدا کرنے کا عمل محدود ہوتا چلا گیا۔ اس کا نتیجہ نوجوانوں میں بڑھتی ہوئی مایوسی کی صورت میں دیکھا جا سکتا ہے۔ جس ملک میں نوجوانوں کو ترقی کی کوئی راہ سجھائی نہیں دے گی اور انھیں روزی روٹی کا کوئی ذریعہ مہیا نہیں کیا جائے گا تو پھر وہاں دہشت گردی اور لوٹ مار جیسے جرائم میں ہوش اُڑا دینے والا اضافہ ہر جانب پھیلتا نظر آئے گا۔

ہمارے نوجوانوں کیلئے یہ امر قابلِ اطمینان ہے کہ موجودہ حکومت بے پناہ داخلی اور خارجی مسائل کے باوجود نوجوانوں کے مسائل کا قابلِ

وزیراعظم یوتھ بزنس لون

عمل حل نکالنے کیلئے پُرعزم ہے۔ حکومت نے اپنے ابتدائی سو دنوں میں جو نمایاں کام کیے ان میں لوڈشیڈنگ میں کسی حد تک کمی، معاشی ترقی کیلئے مالی وسائل کی فراہمی کی طرف توجہ، دہشت گردی پر کنٹرول کیلئے منصوبہ بندی اور کراچی جو اقتصادی لحاظ سے مرکزی حیثیت کا حامل ہے اسے جرائم پیشہ عناصر سے پاک کرنے کی کاروائی کی شروعات کر دی گئی ہے۔ ان تمام امور پر توجہ دیئے بغیر دیگر معاملات میں پیش رفت ممکن نہیں ہوسکتی تھی۔ ان تمام مسائل پر جیسے ہی حکومت کو کچھ کنٹرول حاصل ہوا تو اب اس نے ملک کی افرادی قوت یعنی نوجوانوں کو مایوسی کی دلدل سے نکالنے کا انتظام کیا ہے۔ حکومت کے اس قدام سے مایوس نوجوانوں کو اُمید کی روشنی ضرور دکھائی دے گی۔

نواز شریف نے قوم سے خطاب میں نوجوانوں اور ملک کے دیگر طبقات کو پسماندگی اور غربت سے نجات دلا کر خوشحالی کی شاہراہ پر گامزن کرنے کیلئے خودروزگاری کی چھ مختلف سکیموں کا اعلان کیا جو بڑا خوش آئند ہے، اس سے یقیناً بے روزگار نوجوانوں کو فائدہ حاصل ہو گا۔ سکیموں کے اجرا کے ساتھ ساتھ ان کی شفافیت اور سو فیصد میرٹ کے مطابق عمل درآمد بھی انتہائی ضروری ہوتا ہے۔ جب بھی حکومت کی کوئی سکیم کرپشن کی نظر ہوجاتی ہے تو پھر اس کی تمام افادیت ختم ہوجاتی ہے۔ اس وقت ملک میں بیروزگار نوجوان بڑی تعداد میں موجود ہیں ان میں سے اکثر حالات کی سختیوں اور مشکلات سے گھبرا کر مایوسی کے اندھیروں میں گم ہو جاتے ہیں پھر یہ اندھیرے انھیں جرائم کی دنیا کی طرف دھکیل دیتے ہیں۔ ایسے تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے حکومت نے نوجوانوں کو ملک کی ترقی میں اپنا حصہ ڈالنے کے قابل کرنے کیلئے ان سکیموں کا اعلان کیا ہے اور اس کے ساتھ ہی ان سکیموں کو زیادہ موثر، شفاف اور میرٹ کے مطابق چلانے کیلئے عوام سے تجاویز بھی طلب کی گئی ہیں۔

سرکاری نوکریاں تو اب خواب و خیال کی باتیں ہو کر رہ گئیں ہیں۔ اس لیے اب کسی

وزیراعظم یوتھ بزنس لون

سرکاری محکمے میں نوکری کا حصول جوئے شیر لانے کے برابر ہو گیا ہے۔ ویسے بھی سرکاری محکموں کی حالت زار تو یہ ہے کہ بہت سے ادارے شدید مالی بحران سے دوچار ہیں اور مسلسل خسارے نے انھیں سفید ہاتھی بنا دیا ہے۔ ایسے تمام اداروں کی حیثیت ملکی خزانے پر بوجھ کے سوا اور کچھ نہیں رہی۔ اپنی زبوں حالی کے باعث یہ ادارے مزید افراد کو نوکریاں دینے کے قابل نہیں رہے۔ یہی وجہ ہے کہ نوجوانوں کو زندگی کے اٹھارہ سال تعلیم کے حصول میں صرف کرنے کے باوجود انھیں تعلیم مکمل کرنے کے بعد نوکری نہیں ملتی۔ تعلیمی نظام کی خرابی کے باعث بھی ایسا ہو رہا ہے کہ بہت بڑی تعداد میں نوجوان صرف کلرک بننے سے زیادہ قابلیت نہیں رکھتے۔ وہ جہاں جاتے ہیں ان سے ایک ہی سوال پوچھا جاتا ہے ''آپ کے پاس تجربہ کتنا ہے؟'' اعلیٰ ڈگریوں کا حصول بھی نوجوانوں میں اتنا اعتماد پیدا نہیں کرتا کہ وہ نوکری ڈھونڈنے کی بجائے اپنے خود روزگار کا کوئی راستہ تلاش کر سکیں اور اپنے علاوہ دوسروں کو بھی روزگار مہیا کرنے کے قابل ہو سکیں۔

نواز شریف نے اپنی نشری تقریر کے دوران بتایا کہ تباہی کے دہانے پر کھڑے سرکاری اداروں کا خسارہ پورا کرنے کیلئے حکومت کو ہر سال 5 سو ارب روپے خرچ کرنے پڑتے ہیں۔ ریلوے، سٹیل ملز اور پی آئی اے اس کی بڑی بڑی مثالیں ہیں۔ یہ ادارے سفارشی ملازموں کی کارگزاری کے باعث ملبے کے ڈھیر کی صورت اختیار کر چکے ہیں۔ اس صورتحال سے خلاصی کی ایک ہی صورت ہے کہ نجی شعبے کی ترقی پر زیادہ سے زیادہ توجہ مرکوز کی جائے۔ موجودہ صورتحال میں جبکہ عالمی مالیاتی ادارے ہر قسم کی سبسڈی ختم کرنے اور حکومتی اخراجات میں کمی پر زور دے رہے ہوں ایسے ماحول میں ان سکیموں کے اعلان کو غیر معمولی اقدام کہا جا سکتا ہے۔

وزیراعظم نے تقریباً بیس ارب روپے کی سکیموں کا اعلان کیا ہے۔ جس میں بلاسود قرضوں کا اجرا، چھوٹے کاروبار کیلئے قرضوں کی فراہمی، پڑھے لکھے افراد کیلئے تربیتی سکیم، نوجوانوں کی ہنرمندی سکیم، پسماندہ علاقوں کے طلباء و طالبات

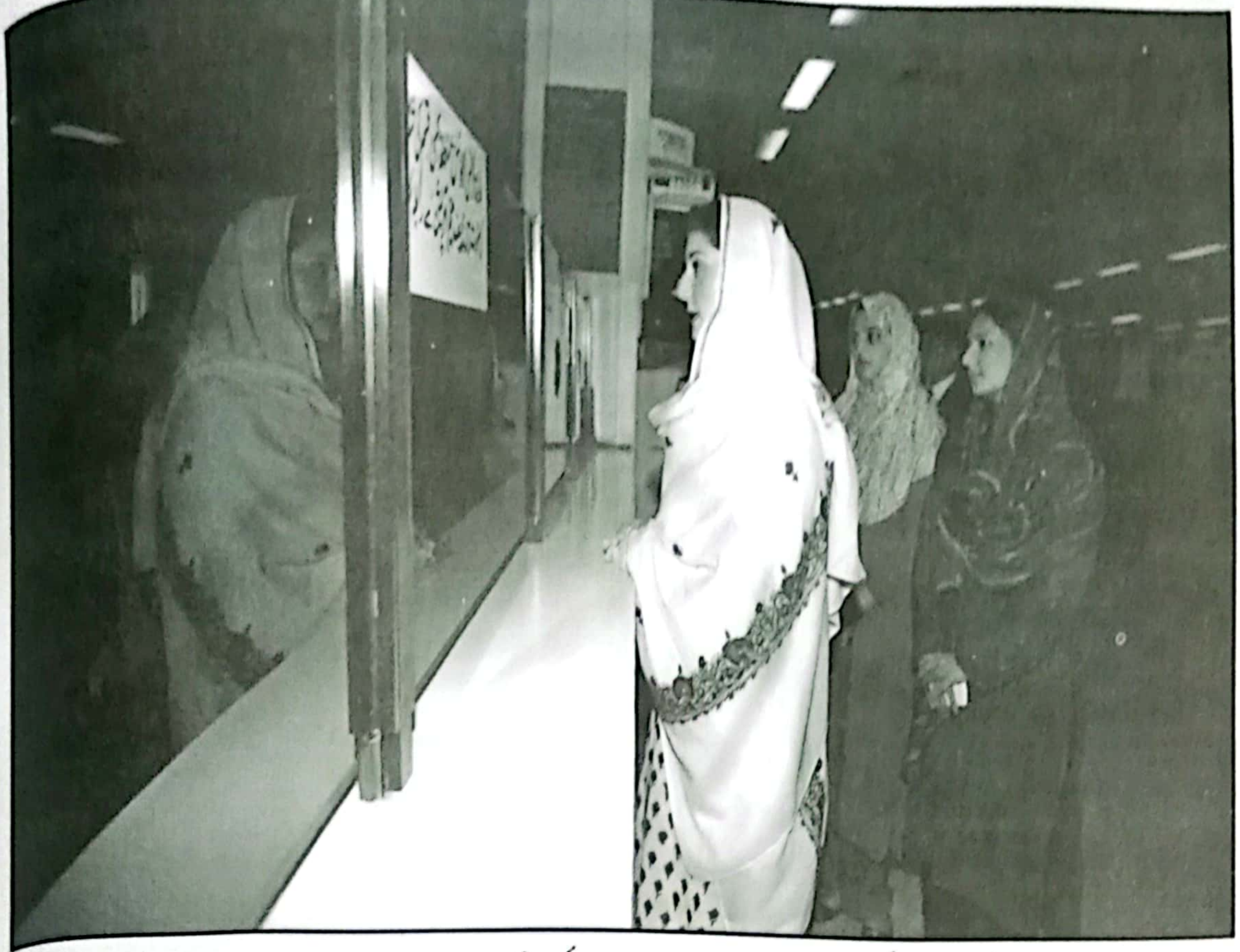

کیلئے حکومت کی جانب سے فیس کی ادائیگی اور ذہین طلباء میں لیپ ٹاپ کی تقسیم شامل کی گئی ہیں۔ان سکیموں سے چاروں صوبے، آزاد کشمیراور گلگت بلتستان کے لوگ بھی مستفید ہوسکیں گے۔ان سکیموں سے نوجوانوں میں اُمیداور اعتماد پیدا ہوگا اوران کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے سے ملکی معیشت مضبوط بنیادوں پر استوار ہوگی۔ان میں سب سے پہلے نمبر پر مالی لحاظ سے کمزور طبقے کو بلاسود قرض دینے کی سکیم ہے جس سے اندازاً ڈھائی لاکھ کے قریب افراد فائدہ حاصل کر سکیں گے۔ دوسری سکیم کا تعلق ہنرمند افراد سے ہے ،اس کے تحت پانچ ارب روپے سے ہنرمند نوجوانوں کوکاروبار کرنے کیلئے پانچ سے بیس لاکھ روپے تک کے قرضے دیے جائیں گے اوران پر سُود کی شرح صرف آٹھ فیصد رکھی گئی ہے۔ باقی سُود حکومت کے ذمے ہوگا۔ تیسری سکیم ایسے گریجویٹ نوجوانوں کیلئے ہے جن کو عملی تربیت دی جائے گی اس دوران اُن کو دس ہزار روپے ماہانہ کے حساب سے وظیفہ بھی دیا جائے گا۔اس سکیم سے پچاس ہزار افراد مستفید ہوسکیں گے۔ چوتھی سکیم میں پچیس سال تک کے کم تعلیم یافتہ نوجوانوں کو فنی تربیت دی جائے گی۔ پانچویں سکیم کے تحت پسماندہ علاقوں کے طلباء وطالبات کی فیسوں کی ادائیگی حکومت کرے گی۔اور چھٹی سکیم میں ایک لاکھ مستحق طالب علموں میں لیپ ٹاپ تقسیم کیے جائیں گے۔

ہمارے ہاں پندرہ سال کی عمر کے بچوں کی شرح تقریباً 33 فیصد اور پندرہ سے پچیس برس تک کے نوجوانوں کا تناسب تقریباً 23 فیصد ہے اس لحاظ سے ہماری 56 فیصد آبادی پچیس سال سے کم عمر ہے۔ یہی افرادی قوت قوم کا اصل قیمتی سرمایہ ہے اور اگر اسے بہتر تعلیم وتربیت اور اس کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے مواقع فراہم کر دیئے جائیں تو یہ لوگ ملک کے روشن مستقبل کی یقینی ضمانت دے سکتے ہیں۔ آنے والے چند برسوں میں ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہوسکتا ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ نوجوانوں کی تربیت کیلئے فنی تعلیم اور مختلف ہنر سکھانے والے زیادہ سے زیادہ ادارے

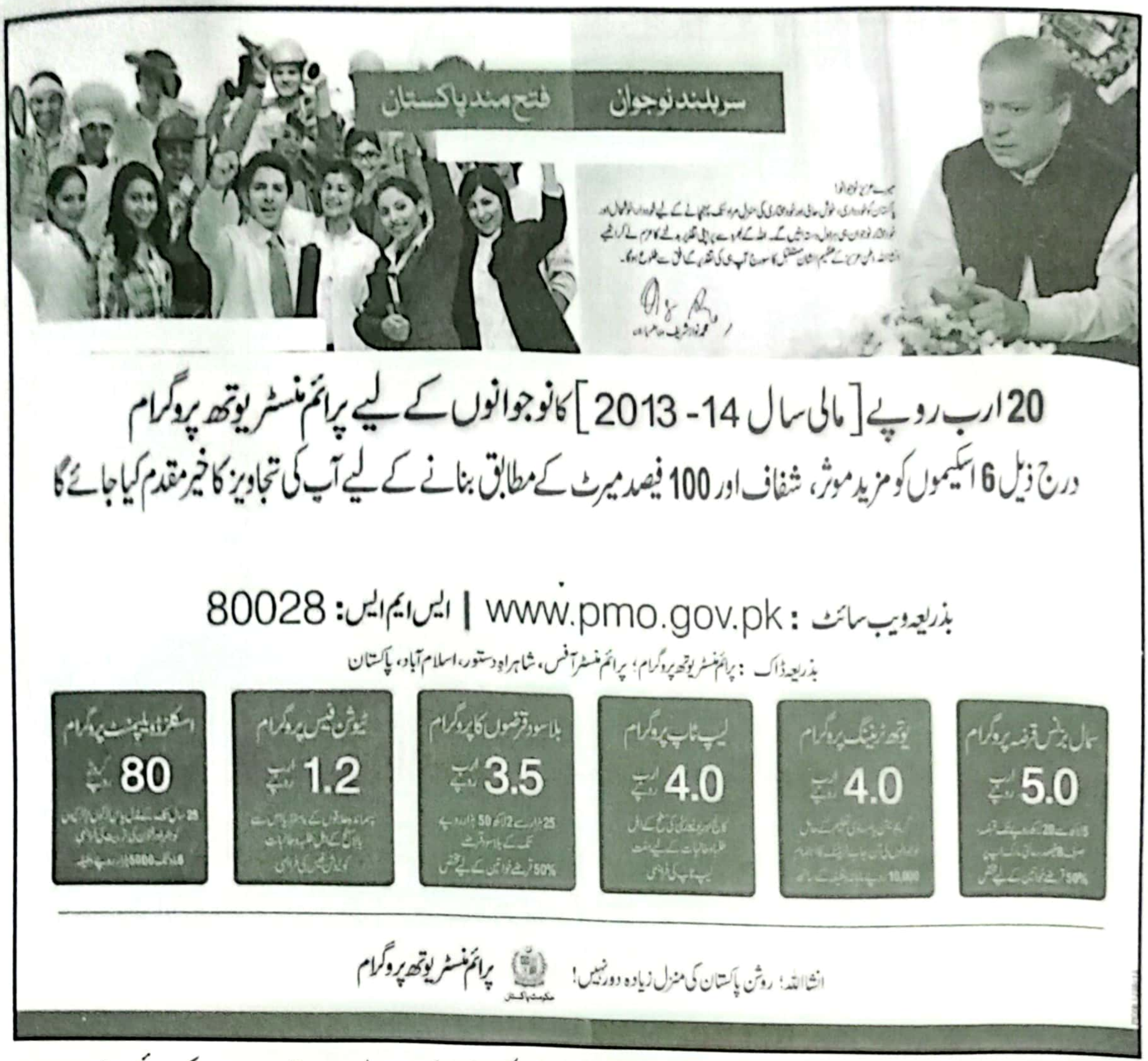

قائم کئے جائیں جہاں جدید طریقوں سے نوجوان کم وقت میں بہت سے ہنر سیکھ سکیں۔ تحصیل سطح پر ایسے ادارے قائم ہونے چاہیں جن میں پلمبر، الیکٹریشن، کمپیوٹر، موٹر مکینک وغیرہ جیسے کاموں کے ڈپلومے دیئے جائیں۔ ایسے ہنر سکھانے والے اداروں کی موجودہ تعداد بڑھانے کی طرف توجہ دی جانی چاہیے۔ اسکے ساتھ ساتھ اس بات کو یقینی بنانا بھی بے حد ضروری ہے کہ ان تمام سکیموں پر عمل درآمد کو ہر طرح کی کرپشن سے بالکل پاک رکھا جائے۔ دس ہزار ماہانہ وظیفہ اور تربیت کا موقع ایسے نوجوان ہی کو دیا جانا چاہیے جسے کوئی دوسری ملازمت اور روزگار میسر نہ ہو۔ ان تمام سکیموں کے آغاز سے لے کر اختتام تک نگرانی کا سخت نظام قائم کیا جانا چاہیے جس کے ذریعے فنڈز کے صحیح استعمال، میرٹ پر نوجوانوں کا انتخاب اور اس سے متعلق دیگر تمام معاملات پر کڑی نگرانی کی جانی چاہیے۔ ایسی تمام تدابیر اختیار کی جائیں جن سے ان سکیموں کو کامیاب کرنے میں مدد مل سکے۔ موجودہ حکومت کے وسیع تجربے اور بہترین انتظامی صلاحیتوں کی بناء پر اس بات کی توقع ہے کہ ان سکیموں کو ناکام بنانا آسان نہیں ہوگا۔ اس کے علاوہ اگر ان سکیموں کو سیاسی مفادات کے اثرات سے بھی محفوظ رکھا جا سکا تو پھر بجا طور پر ملک کو خوشحالی کے سفر پر گامزن کیا جا سکتا ہے۔

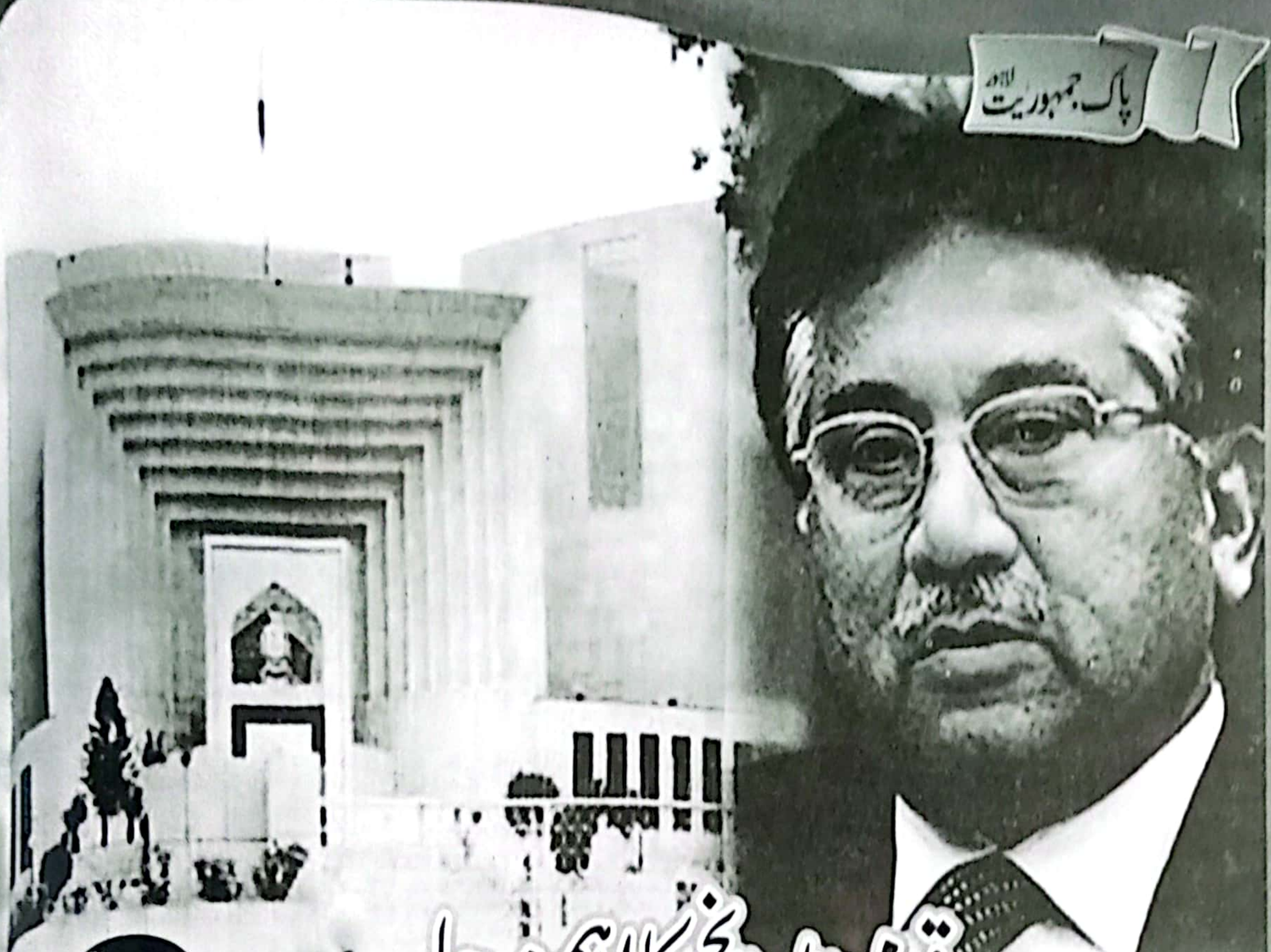

قومی تاریخ کا اہم مرحلہ......

عرفان صدیقی

جنزل (ر) پرویز مشرف پر غداری کے الزام میں مقدمہ چلانے کا فیصلہ ہماری چھیاسٹھ سالہ تاریخ کی پہلی کروٹ ہے جو آمریت اور جمہوریت کے درمیان جاری طویل جنگ کا ایک بڑا معرکہ بننے کو ہے۔ اگر یہ معرکہ آئین، قانون اور انصاف کے میدان تک محدود رہا تو پاکستان دستوری ضابطوں پہ کاربند ایک توانا جمہوری ریاست کے طور پر ابھرے گا۔ اگر اسے مصلحتوں، منافقتوں یا زورآور قوتوں کی طاقت آزمائی کا کھیل بنادیا گیا تو ہم نئی روشن منزلوں کی طرف بڑھنے کے بجائے کئی سال پیچھے لڑھک جائیں گے۔ تاریخ دم سادھے دیکھ رہی ہے کہ تینتیس برس تک آمریتوں کی آماجگاہ بنے رہنے والے اس کم نصیب ملک سے کوئی آفتاب تازہ طلوع ہوتا ہے یا نامرادی اور بے یقینی کی رات لمبی ہوتی چلی جائے گی۔

قیام پاکستان کے صرف گیارہ سال بعد جمہوریت کا دفتر لپٹا اور فوج پہلی دفعہ اقتدار آشنا ہوئی۔ گہری نگاہ رکھنے والے بابائے قوم کا ماتھا شروع میں ہی ٹھنکا تھا کہ فوجی افسروں کے دل و دماغ میں سرکشی کی ہوا چلنے لگی ہے۔ اسی احساس کے تحت انہوں نے 1948ء میں اسٹاف کالج کوئٹہ کے زیر تربیت افسروں کو ان کا حلف یاد دلاتے ہوئے کہا تھا کہ تمہارا کام صرف آئین کی اطاعت اور اپنے عہد کی پاسداری کرنا ہے۔ قائد کی اس تلقین کے دس سال بعد اسکندر مرزا نے مارشل لا نافذ کیا۔ دو ہفتوں بعد اسکندر مرزا کو رخصت کر کے جنزل ایوب خان ملک کے مختار کل بن گئے۔ ایوب کا اقتدار 25 مارچ 1969ء کو غروب ہوا اور اسی لمحے جنزل یحییٰ خان کی فرمانروائی نے سفر آغاز کیا۔ یہ لمبی رات 16 دسمبر 1971ء تک جاری رہی جب قائداعظمؒ کا پاکستان دو لخت ہوگیا، جنزل نیازی نے جگجیت سنگھ اروڑہ کے آگے ہتھیار ڈالے۔ ایک لاکھ قیدی بھارت کے بندی خانوں میں جا بسے اور شکست کا داغ ہمارے ماتھوں کی زینت بن گیا۔

نئے سرے سے کارآشیاں بندی کرنے والوں نے سوچا کہ ملک بچانا ہے تو فوجی آمریتوں کا راستہ روکنا ہوگا۔ حمودالرحمن کمیشن نے بھی یہی رائے دی۔ 1973ء کے دستور میں ایک شق ڈال دی گئی کہ آئندہ آئین سے کھیلنے والا مہم جو سنگین غداری کا مرتکب سمجھا جائے گا۔ اس آرٹیکل کی روشنی میں سنگین غداری ایکٹ کی منظوری دی گئی۔ طے کردیا گیا کہ آئندہ مہم جوئی کرنے والا موت یا عمر قید کی سزا پائے گا۔ نفاذ آئین کے صرف چار سال بعد جنزل ضیاء

الحق نے بھٹو حکومت کو برطرف کرتے ہوئے مارشل لا نافذ کر دیا۔ آئین کے جابر آرٹیکل 6 کو خبر ہی نہ ہوئی۔ عدالت عظمیٰ نے اس بغاوت یا غداری کو نظریہ ضرورت کی قبا پہنا دی۔ اس فوجی حکمرانی نے گیارہ سال کی عمر طویل پائی۔ اکتوبر 1999ء میں جنرل پرویز مشرف نے صرف اپنی نوکری کے تحفظ کے لئے جمہوری نظام کی بساط الٹ ڈالی۔ اس وقت کے چیف جسٹس نے آمر کے حضور سجدہ ریز ہونے سے انکار کر دیا۔ کئی ججوں سمیت انہیں گھر بھیج دیا گیا۔ ایک نئی عدالت تشکیل پائی جس نے اس مہم جوئی کو بھی نظریہ ضرورت کی مخملی چادر میں لپیٹ کر گود لے لیا۔ مشرف نو برس تک ناقوس حکمرانی بجاتے اور آئین و قانون سے گلی ڈنڈا کھیلتے رہے۔

پرویز مشرف ہماری تاریخ کا واحد آمر ہے جس نے دو بار آرٹیکل 6 کو روندتے ہوئے آئین شکنی کا ارتکاب کیا۔ 12 اکتوبر 1999ء کا اقدام، ارشاد حسن خان کی عدالت سے روا قرار پایا اور 2002ء میں تشکیل پانے والی قومی اسمبلی نے بھی اس کی توثیق کر دی۔ 3 نومبر 2007ء کی آئین شکنی فضا میں معلق چلی آ رہی ہے۔ اسی روز یعنی 3 نومبر 2007ء ہی کو عدالت عظمیٰ کے ایک سات رکنی بنچ نے اس اقدام کو خلاف آئین قرار دیتے ہوئے تمام متعلقہ تعلق داروں کو تعاون سے روک دیا۔ 31 جولائی 2009ء کے فیصلے کی رو سے سپریم کورٹ نے 3 نومبر کے اقدام کو خلاف آئین و قانون قرار دے دیا۔ عدالت نے کم و بیش ایک غاصب قرار دیتے ہوئے یہ بھی کہہ دیا کہ چونکہ صدر رفیق تارڑ نے استعفیٰ نہیں دیا تھا اس لئے آئین کی رو سے پرویز مشرف کبھی جائز صدر نہیں رہے۔ سپریم کورٹ نے بڑی وضاحت کے ساتھ بتایا کہ مسلح افواج کا کردار کیا ہے اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ کسی طرح کے حالات میں بھی، وفاقی حکومت کی ہدایت یا حکم کے بغیر، فوج از خود کوئی اقدام نہیں کر سکتی۔ عدالت نے یہ بھی واضح کر دیا کہ 3 نومبر کے غیر آئینی اقدام کی تمام تر ذمہ داری ایک فرد واحد پر عائد ہوتی ہے چاہے اس نے کتنے ہی لوگوں سے مشاورت کیوں نہ کی ہو کیونکہ ''ایمرجنسی'' کے نفاذ کی دستاویز میں لکھا ہے...... ''میں جنرل پرویز مشرف پورے ملک میں ایمرجنسی کے نفاذ کا اعلان کرتا ہوں'' اس نے رعایا سے خطاب کے دوران بھی ''میں'' ہی کا صیغہ استعمال کیا سو قانون اسی ''میں'' کو شکنجے میں لے گا۔

1973ء کے آئین کے نفاذ کے چالیس سال بعد، پہلی بار آرٹیکل 6 کی تلوار نیام سے نکالی جا رہی ہے۔ اگر وزیر اعظم نواز شریف نے بارودی سرنگوں سے اٹے علاقے میں قدم رکھ ہی دیا ہے تو سوچنا ہو گا کہ اس اقدام سے ان کا کون سا شخصی، حکومتی، جماعتی یا سیاسی مفاد وابستہ ہے؟ اگر وہ اپنے ایک عہد کی پاسداری کرتے ہوئے خوں آشام آمریتوں کا راستہ روکنے اور جمہوریت کی پائیداری کے لئے ''آتش نمرود'' میں کود پڑے ہیں تو اہل سیاست، سول سوسائٹی، میڈیا، وکلاء اور اہل فکر و دانش کو فیصلہ کرنا ہو گا کہ وہ اپنا وزن کس پلڑے میں ڈالیں؟ موشگافیوں کے لئے بڑے موضوعات پڑے ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد پہلی بار بجنے والا یہ تاریخی معرکہ بھی سیاسی مفادات کی نذر ہو گیا تو شاید کبھی اس کوتاہی کی تلافی نہ ہو سکے۔

قومی تاریخ میں آنے والے چاروں آمروں کے نامہ اعمال میں کوئی نہ کوئی کار خیر ضرور ہو گا لیکن مجموعی طور پر انہوں نے پاکستان کے مفادات کو شدید نقصان پہنچایا۔ ان کی داخلی حکمت عملی اور خارجی پالیسیوں کی جڑیں، اپنے ذاتی مفاد کی زمین میں پیوست رہیں۔ انہوں نے جمہوریت، آئینی حکمرانی، قومی یکجہتی، ملکی سلامتی، معاشی استحکام اور ریاستی عزت و وقار پر کاری ضربیں لگائیں۔ انہوں نے تحمل و برداشت کے ماحول کی نفی کی، انتہا پسندانہ رجحانات کو فروغ دیا، قانون شکنی کی حوصلہ افزائی کی، سیاست کو اپنے مفادات کا یرغمال بنایا، قومی اداروں کو پامال کیا،

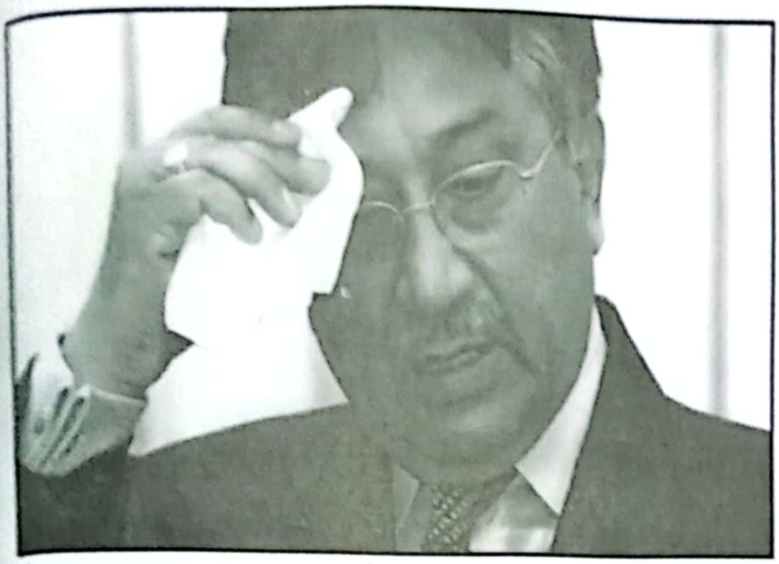

عدلیہ کو اپنے کھونٹے سے باندھنے کی کوشش کی، معاشرے میں تقسیم کی لکیریں ڈالیں اور بے ننگ و نام سی جمہوریت کی کارنس پر خود ساختہ مورتیاں سجائیں۔ اگر ہمارے ساتھ وجود میں آنے والے بھارت کی طرح، پاکستان میں بھی جمہوریت کا چلن جاری رہتا اور پائیدار ادارے وجود میں آجاتے تو شاید آج ہماری بے چہرگی کا یہ حال نہ ہوتا۔

ستم یہ ہے کہ فوجی آمروں نے سب سے زیادہ نقصان اپنے ادارے کو پہنچایا۔ طویل شخصی اقتدار کے لئے فوج کی اس قوت بازو کو استعمال کیا گیا جس کا آئینی وظیفہ صرف دشمن سے پنجہ آزمائی تھا۔ اس ستم کی انتہا یہ ہے کہ فوج اور عوام کے درمیان خلیج حائل کر دی گئی۔ پاکستان کو ہمیشہ یہ امتیاز حاصل رہا کہ عوام اور فوج کے مابین قابل رشک ہم آہنگی رہی۔ جب بھی دفاع وطن کا معرکہ درپیش ہوا، پاکستان کے عوام اپنی بہادر مسلح افواج کے شانہ بشانہ کھڑے ہو گئے۔ اپنے جانبازوں کے لئے وجد آفریں نغموں کی گونج شاید ہی کسی دوسرے ملک کی فضاؤں میں بھی ہو۔ فوج کی ساکھ، اعتبار اور وقار کو کوئی دھچکا لگا تو صرف آمروں کے ہاتھوں، جنہوں نے تینتیس برس تک فوج کو اپنی ڈھال اور قوم کو یرغمال بنائے رکھا۔ فوج کی اجلی وردی پہ لگنے والے سارے داغ چار مہم جو جرنیلوں کی مہم جوئی کا ثمر ہیں۔

3 نومبر 2007ء کے اقدام کا تعلق کسی طور بھی پاکستان، عوام یا مسلح افواج کے مفاد سے نہ تھا۔ معاملہ صرف اس قدر تھا کہ مشرف وردی سمیت صدارتی انتخاب لڑنے پہ بضد تھا۔ ایک بڑا عدالتی بنچ جسٹس (ر) وجیہہ الدین احمد کی پٹیشن کی سماعت کر رہا تھا، بظاہر یہی تاثر مل رہا تھا کہ عدالت اس صریح آئینی انحراف کی اجازت نہیں دے گی۔ نوشتہ دیوار نمایاں طور پر دکھائی دینے لگا تو کھیلن کو چاند مانگنے والے انوکھے لاڈلے نے ایک بار پھر آئین کو روند ڈالا۔ ایسا کرتے ہوئے بھی بندوق "فوج" کے کندھے پہ رکھی گئی۔ صدر مملکت ہونے کے باوجود جنرل مشرف نے ایمرجنسی کا نفاذ کرتے ہوئے آرمی چیف کی اتھارٹی کو استعمال کیا۔ 12 اکتوبر 1999ء کی طرح یہ داغ بھی فوج کی وردی پہ لگا۔ فوجی وردی پہن کر، سر پہ پگڑی سجا کر، سیاسی جلسوں سے کوچہ و بازار کی زبان میں خطاب کرنے والے جرنیل نے خود پر ہی نہیں، اپنے ادارے پر بھی ظلم کیا۔ دنیا میں بڑا نام رکھنے والی مستعد فوج کو، پیشہ ورانہ چابک دستی سے ہٹا کر سیاست کے بکھیڑوں میں الجھا دیا گیا۔

جنرل اشفاق پرویز کیانی نے فوج کو آمرانہ کلچر کے مکروہ اثرات سے بچانے کے لئے ایک نئے حکیمانہ کلچر کی بنیاد رکھی۔ انہوں نے ڈیڑھ فٹ کی چھڑی ہاتھ میں لیتے ہی فوجی افسران کو سویلین اداروں سے نکالا اور پابندی لگا دی کہ سیاستدانوں سے روابط نہ بڑھائے جائیں۔ انہوں نے بارہا کہا کہ عوامی حمایت کے بغیر کوئی فوج نہیں لڑ سکتی۔ وہ اپنی تقاریر میں مسلسل کہتے رہے کہ فوج، پاکستان کے آئین اور جمہوری اداروں کا احترام کرے گی۔ انہوں نے اپنے عمل سے بھی یہی ثابت کیا۔ کہا جا سکتا ہے کہ چھ برس کے دوران جنرل اشفاق پرویز کیانی فوج کی وردی پہ لگے داغ دھونے اور اس کی ساکھ بحال کرنے میں بڑی حد تک کامیاب رہے ہیں۔ یہ اعزاز و افتخار دیر تک ان کے سر کی کلغی رہے گا۔

جنرل مشرف کا معاملہ اب آئین و قانون کے مطابق عدالت کے سامنے ہے۔ انہیں اپنی صفائی کا بھرپور موقع ملنا چاہئے۔ تشویش کا پہلو صرف یہ ہے کہ کچھ فتنہ گر اس معاملے کو فوج اور حکومت کے درمیان محاذ آرائی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ حالانکہ انہیں خبر ہے کہ زمانہ بدل چکا ہے اور قانون کی بالادستی کی ہوائیں ترکی سے بنگلہ دیش تک آ پہنچی ہیں۔ قومیں بلوغت آشنا ہو رہی ہیں۔ فوج جیسے اداروں نے بھی جان لیا ہے کہ ان کی قدر و منزلت، کسی آئین شکن فرد کے تحفظ میں نہیں، آئین و قانون کی اطاعت اور اپنے حلف کی حرمت میں ہے۔

فکر فردا......ویژن 2025ء

سرور منیر

پاکستان کو دنیا بھر میں نمایاں مقام دلانے اور اپنے عوام کا مستقبل خوشحال بنانے کے لیے ایک دستاویز کی تیاری کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔اسے ''ویژن پاکستان 2025ء'' کا نام دیا گیا ہے۔اس دستاویز پر کس حد تک عمل درآمد ہو سکے گا اس کا اندازہ ہمیں ملک کے سیاسی نظام کی آئندہ استحکامیت اور حکمرانوں کی نیت سے ہی ہو سکے گا لیکن یہ بات خوش آئند ہے کہ "دیر آید درست آید" کے مصداق اس بارے میں سوچنا اور پھر اسے دستاویزی شکل دینے کے عمل کا آغاز ہو گیا ہے۔اس دستاویز کی تیاری کا خیال منصوبہ بندی اور اصلاح وطن کے وفاقی وزیر پروفیسر احسن اقبال کو آیا، ان کی حب الوطنی، قابلیت اور محنت ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ انہوں نے ماضی میں بھی میاں محمد نواز شریف کی سابقہ حکومت میں ویژن 2010ء پیش کیا تھا لیکن نواز حکومت کے خاتمے کی وجہ سے اس دستاویز پر عمل نہ ہو سکا۔مشرف اور زرداری حکومت بغیر کسی منصوبہ بندی کے اپنا تیرہ سالہ دور اقتدار مکمل کر کے تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔

یہ امر کس قدر افسوسناک ہے کہ 18 کروڑ آبادی کا ملک بغیر کسی منصوبہ بندی یا ویژن کے چلایا جا رہا ہے۔ اس تیرہ سالہ دور کے دوران ترجیح نمبر ایک صرف اور صرف اپنی حکومت کو قائم رکھنا تھا۔ پاکستان کی آبادی اس وقت 18 کروڑ سے تجاوز کر چکی ہے۔ایک اندازے کے مطابق سن 2025ء میں پاکستان کی آبادی کا تخمینہ 23 کروڑ لگایا گیا ہے۔23 کروڑ عوام کو خوراک، رہائش، روزگار، صحت، تعلیم اور معاشرتی مقام دلانے کے لیے ہم نے کیا منصوبہ بندی کی ہے یہ ہے وہ سوال جس کا جواب ہمیں آج دینا ہے۔

پاکستان دہشت گردی، بدامنی اور غربت کے ساتھ ساتھ شدید ترین توانائی کے بحران سے گزر رہا ہے۔ تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ دنیا بھر میں ہونے والی موسمیاتی تبدیلیوں اور پاکستان میں بڑھتی ہوئی آبادی کے دباؤ کی وجہ سے آئندہ دس سال کے دوران پاکستان کو پانی کی شدید قلت کا سامنا پیش آ سکتا ہے۔غربت، مہنگائی کا مقابلہ تو زندہ لوگ ہی کرتے ہیں۔آپ تصور تو کیجیے کہ اگر پاکستان میں پانی کی کمی ہو جائے تو زندگی کہاں رہے گی، قحط سالی کا سماں ہو گا۔کسی بھی ملک یا آبادی کو خوشحالی کی منزل سے ہمکنار کرنا قیادت کا کام ہے، پاکستان بدقسمتی سے قحط الرجال کا شکار ہے۔''قحط میں موت ارزاں اور

CamScanner

قحط الرجال میں زندگی"۔

عاقبت اندیش اور اہل قیادت کے فقدان نے پاکستان کو ایک بندگلی میں پہنچا دیا ہے۔ اس پس منظر میں "ویژن پاکستان 2025ء" کے حوالے سے تمام سول سوسائٹی، کاروباری حضرات، میڈیا، سیاستدان، حکمران، ماہرین تعلیم اور ٹیکنالوجی کا ایک جگہ بیٹھ کر مشاورت کرنا اور "ویژن پاکستان 2025ء" تیار کرنا ایک خوش آئند عمل ہے۔ ویژن 2025ء کے لیے جو سات نکاتی ایجنڈا تیار کیا ہے اس کے تحت ایک مضبوط معیشت اور مستحکم پاکستان کے لیے جن شعبوں میں منصوبہ بندی کرنی ہے وہ ہیں۔

1-توانائی: کوئلے، آبی وسائل اور توانائی کے متبادل ذرائع سے فائدہ اٹھانا۔

2-معیشت کی بہتری: پاکستانی معیشت کو بیرونی قرضوں کی بجائے ملک کے اندر موجود وسائل کی بنیاد پر مستحکم کرنا۔

3-افرادی قوت: کوئی ملک شاہراہوں اور

عمارتیں بنانے سے ترقی یافتہ نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے افرادی قوت اور سماجی سرمائے کو متحرک اور منظم کرتے ہوئے ان کی تربیت کرنا ہوتی ہے اس کے لیے عوام کو صحت، تعلیم اور روزگار کے مواقع فراہم کرنا ضروری ہے۔

4-بنیادی ڈھانچہ یا انفراسٹرکچر: ملک کو مربوط ترقی دینے کے لیے ایک ایسے انفراسٹرکچر کی ضرورت ہے جس کی بنیاد پر عوام کو سہولتیں فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ اقتصادی ترقی کی راہ ہموار ہو اور پاکستان گلوبل معیشت کا ایک اہم محرک بن سکے اس کے لیے اقتصادی راہداری "Economic Corridor" بنانا ضروری ہے جو وسط ایشیا، جنوبی ایشیا اور چین کے درمیان ایک راہداری کا کام دے۔

5-زراعت اور صنعت کی ترقی: ایک زرعی ملک ہونے کے ناطے پاکستان کی معیشت کی بہتری کا دارومدار زراعت پر ہے اس لیے زرعی ترقی کے ساتھ ساتھ زراعت سے منسلک صنعت کو فروغ دینا ضروری ہے۔

6-روزگار کے مواقع: دنیا کی کوئی بھی حکومت اپنے عوام کو سو فی صد روزگار فراہم نہیں کر سکتی۔ لیکن حکومت کا فرض ہے کہ وہ ایسی منصوبہ بندی کرے جو روزگار کی فراہمی کا ذریعہ بنے۔ اس حوالے سے نجی شعبے میں چھوٹی صنعتوں کو فروغ دینا اور بیرون ملک مقیم پاکستانیوں کو پاکستان کے پیداواری مسائل میں شریک کرنا ہے۔

7-سیکورٹی: ملک میں معیشت کا پہیہ اور افرادی قوت دونوں اسی صورت میں متحرک اور معاون ہو سکتی ہیں جب عام عوام اور سرمایہ دار خود

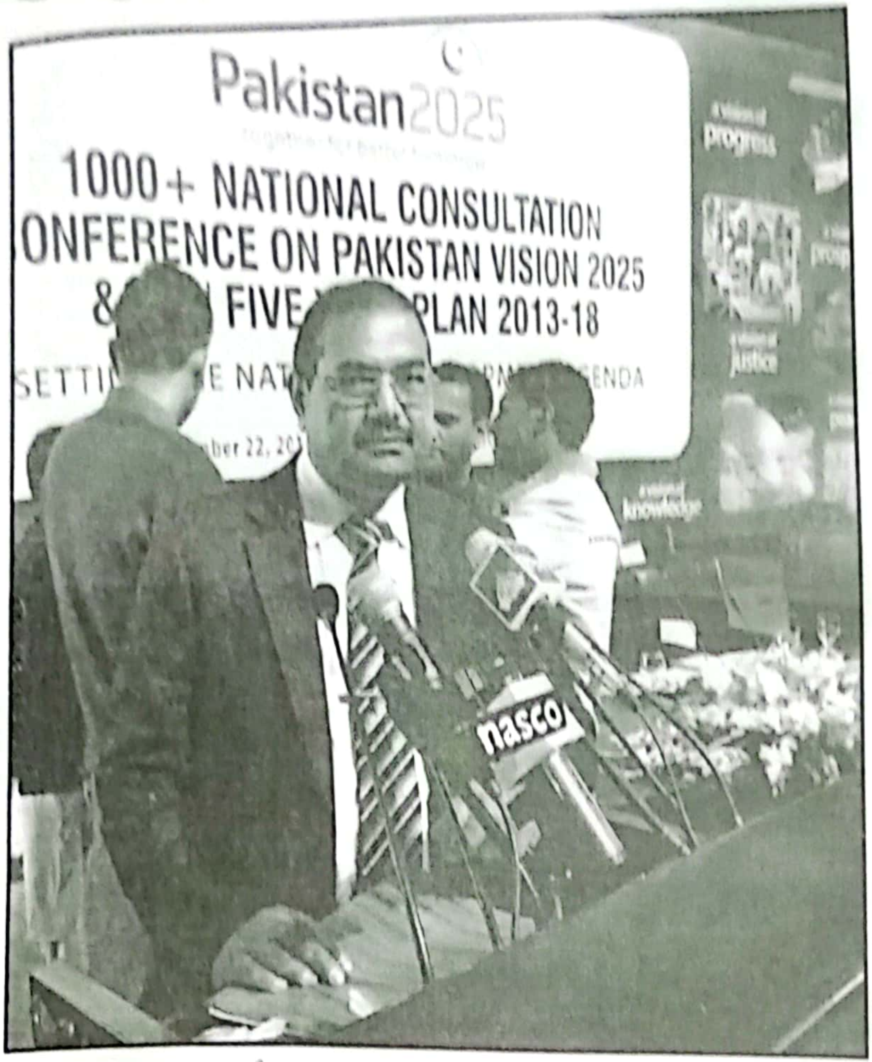

کو ملحوظ رکھیں۔ حکومت اگر امن وامان کے قیام اور عوام کے جان ومال کا تحفظ فراہم کرنے میں کامیاب ہو جائے تو معیشت اور معاشرت ترقی کر سکتے ہیں۔ اس حوالے سے قابل عمل اور فول پروف منصوبہ بندی ضروری ہے۔

"ویژن پاکستان 2025" کا مرکزی نکتہ "One Nation, One Vision"۔ "ایک قوم، ایک بصیرت" یہی ویژن پاکستان کے مستقبل کی ضمانت بن سکتا ہے بشرطیکہ اس ویژن کو پوری قوم بلا کسی سیاست اور تفریق کے نشان منزل قرار دے اور ہم بقول اقبال "محوِ غم دوش" ہونے کی بجائے "فکر فردا" کریں۔

آج ہم جو منصوبہ بندی کریں گے اس کا پھل آنے والی نسلوں کو ملے گا۔ دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں کی تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ماضی میں ان کی قیادت نے مستقبل کی جو منصوبہ بندی کی اور جن اہداف کا تعین کیا آنے والوں نے انہیں حاصل کر کے اپنی قوموں کو نا قابل تسخیر بنا دیا۔ چین، امریکہ اور کئی دوسرے ملکوں کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ لیکن جو قومیں "فکر فردا" چھوڑ کر اپنے حال میں مست رہیں وہ صفحہ ہستی سے مٹ گئیں۔

پاکستان اس وقت ایک ایسے دوراہے پر ہے کہ اگر ہم نے ہوش کے ناخن نہ لیے تو خاکم بدہن ہمارا نام بھی نہ ہوگا داستانوں میں لیکن اگر ہم نے عقل وشعور اور فہم وفراست سے کام لیا تو اس ملک کے پاس ایسے قدرتی وسائل، جغرافیائی محل وقوع اور منفرد افرادی قوت ہے جو پاکستان اور اس کے عوام کو دنیا بھر میں محترم اور مقدم مقام دلا سکتی ہے۔ شرط صرف نیت کے ٹھیک ہونے، ایک دوسرے کو برداشت کرنے اور اجتماعی دانش اور محنت کی بنیاد پر آگے بڑھنے میں ہے۔ پاکستانی قوم جب پوری دنیا کی پابندیوں کے باجود ایٹمی طاقت بن سکتی ہے، ہمارے پاس اس خطے کی ایک بڑی اور منظم فوجی قوت ہے۔ دہشت گردی کے سامنے سال ہا سال سے ہم فرنٹ لائن اسٹیٹ کے طور پر میدان عمل میں ہیں۔ ہماری عدالتیں بڑے سے بڑے طاقتور ترین شخص کو گرفت میں لے رہی ہیں یہاں کا میڈیا اس خطے ہی میں نہیں بلکہ دنیا بھر میں آزادی اظہار کے سرفہرست محافظین میں شامل ہو چکا ہے۔ ہماری سیاست میں مفاہمت اور برداشت کے کلچر کو فروغ حاصل ہو رہا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس گرداب سے نہ نکل سکیں۔ ہمیں اپنا ویژن، منزل اور ہدف طے کر کے اُس کی جانب بڑھنا ہے اور اس سلسلے میں "ویژن 2025" کی تیاری ایک قابل تحسین قدم ہے۔

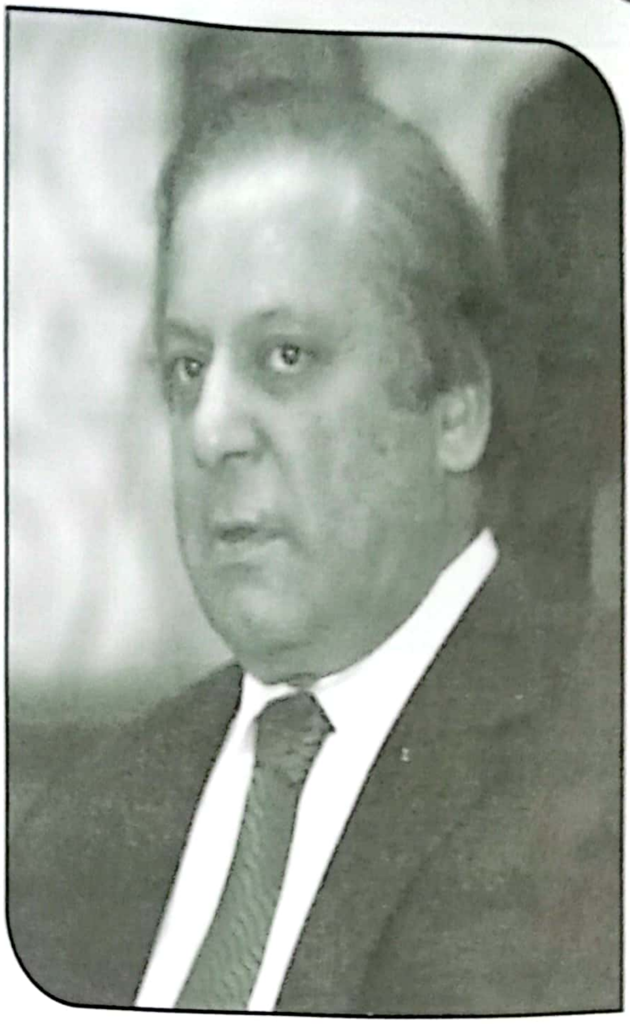

ون نیشن، ون ویژن

(ایک قوم، ایک بصیرت)

رؤف طاہر

یہ برسوں پہلے آمریت کے دور کی بات ہے، ایک سیاسی لیڈر شہر کے چوراہے پر دھواں دار تقریر کر رہا تھا۔ چاروں طرف انسانوں کا ہجوم تھا۔ پُر جوش نعرے اور تالیاں۔ اسی دوران پولیس نے دھاوا بول دیا۔ ہجوم کو منتشر اور لیڈر کو گرفتار کر کے لے گئی۔ جیل سے رہائی کے بعد وہ گھر جانے کی بجائے سیدھا اسی "جلسہ گاہ" میں پہنچا۔ اب پھر چار سو جم غفیر تھا۔ گزشتہ بار کی ادھوری تقریر مکمل کرنے کے لئے اس نے آغاز کیا، "ہاں تو خواتین و حضرات! میں یہ عرض کر رہا تھا...... " میاں صاحب کی گزشتہ حکومت میں احسن اقبال "وزیر اعظم کے ویژن 2010ء" کے کوارڈینیٹر تھے کہ "پکڑے گئے"۔ 12 اکتوبر 99ء کی فوجی کارروائی نے دو تہائی مینڈیٹ کی حامل حکومت کا تختہ ہی نہیں الٹا تھا بلکہ قومی معیشت کے اس عمل کو بھی منفی شرح پر دھکیل دیا تھا جو ایٹمی دھماکوں کے بعد عالمی اقتصادی پابندیوں کے باوجود فروغ پذیر تھا۔ اب نواز شریف تیسری بار برسر اقتدار آئے ہیں اور احسن اقبال "ویژن 2025ء" کے انچارج ہیں۔ نواز شریف کے زیر قیادت پاکستان مسلم لیگ ملک میں قومی تعمیر و ترقی کی علامت کے طور پر ابھری۔ وہ پاکستان کے ایسے لیڈر ہیں جو محض آج کا نہیں، مستقبل کا بھی سوچتے ہیں۔ شاید اسی کو "دور اندیش قیادت" کہا جاتا ہے۔

اپنے گزشتہ ادوار میں موٹر وے، نئے ہوائی اڈے، گوادر کی بندرگاہ اور معیشت کی پرائیویٹائزیشن، لبرلائزیشن اور ڈی ریگولیشن سمیت کتنے ہی اقتصادی منصوبے اور معاشی اصلاحات تھیں، پاکستان کے مستقبل کو مدنظر رکھتے ہوئے جن کا اہتمام کیا گیا۔ جناب احسن اقبال نواز شریف کے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور باصلاحیت رفقائے کار میں شمار ہوتے ہیں جو ملک و قوم کے لئے کچھ کر گزرنے کے لئے بے تاب رہتے ہیں۔ وہ محض

CamScanner

Pakistan2025
together for better tomorrow

خواب ہی نہیں دیکھتے بلکہ ان کی تعبیر کے لئے بھی سرگرمِ عمل رہتے ہیں۔ احسن اقبال ٹی وی ٹاک شوز کے ہردل عزیز رہے ہیں۔ وہ شور شرابے، کٹ حجتی اور بحث برائے بحث کی بجائے منطق، دلیل اور اعداد و شمار کے آدمی ہیں۔ گزشتہ کچھ عرصے سے وہ میڈیا سے غائب تھے۔ وہ اسلام آباد کے کنونشن سینٹر میں ایک تاریخ ساز کانفرنس کے منتظم کے طور پر سامنے آئے۔ موجودہ وفاقی کابینہ میں وہ پلاننگ، منصوبہ بندی، ترقی اور اصلاحات کے وزیر ہیں۔ موجودہ حکومت کو قومی معیشت جس زبوں حالی میں ملی اس کی کوئی مثال پاکستان کی تاریخ میں شاید ہی موجود ہو۔ جاں بلب معیشت کی مسیحائی کوئی آسان کام نہیں۔ اس کے لئے منصوبہ بندی کا کارِ دشوار جناب احسن اقبال کے سپرد ہوا تو وہ صبح شام اسی میں لگ گئے۔ ایسے میں ٹی وی ٹاک شوز کے لئے وقت کہاں؟

22 نومبر کی صبح اسلام آباد کے کنونشن سینٹر میں اندرون و بیرون ملک سے ایک ہزار سے زائد ماہرین موجود تھے جو قومی زندگی کے مختلف شعبوں میں اپنے نام اور کام کی وجہ سے نمایاں مقام کے حامل ہیں۔ ان میں سعودی عرب، کویت، کوریا، یورپ اور کینیڈا میں مقیم پاکستانی بھی تھے جو اپنے خرچ پر آئے تھے۔ کنونشن سینٹر کا ہال اور گیلریاں مندوبین سے بھر چکی تھیں۔ ادھر اسٹیج پر قومی یکجہتی کا روح پرور منظر تھا۔ ''ون نیشن، ون ویژن'' اس کنونشن کا بنیادی نکتہ تھا اور احسن اقبال نے عملاً یہ کر دکھایا تھا۔ وزیرِ اعظم کے دائیں بائیں چاروں وزرائے اعلیٰ اور وزیرِ اعظم آزاد کشمیر چوہدری عبدالمجید بھی موجود تھے۔ وہ جو کہا جاتا ہے کہ دل سے جو بات نکلتی ہے، اثر رکھتی ہے۔ اور یہاں تو وزیرِاعظم کی دل سے نکلی ہوئی باتیں اپنے ساتھ عمل کا اثاثہ بھی رکھتی تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ یہاں موجود چاروں وزرائے اعلیٰ میرے اپنے ہیں۔ تحریکِ انصاف سے تعلق رکھنے والے خیبر پختونخوا کے پرویز خٹک بھی میرے لئے پنجاب کے شہباز شریف سے کم نہیں۔ سندھ میں پیپلز پارٹی کے قائم علی شاہ کی بھی ہم کراچی آپریشن میں بھرپور مدد کر رہے ہیں۔ بلوچستان میں ڈاکٹر مالک کی مخلوط حکومت میں مسلم لیگ خود شامل ہے۔ گزشتہ دنوں وزیرِاعظم آزاد کشمیر کے خلاف تحریک عدمِ اعتماد کا منصوبہ بنا۔ یہ معروف معنوں میں جمہوری عمل کا حصہ تھا لیکن میں نے اپنے لوگوں کو اس کا حصہ بننے سے روک دیا تاکہ دنیا کو یہ پیغام نہ جائے کہ ادھر اسلام آباد میں نئی وفاقی حکومت آئی، ادھر آزاد کشمیر میں اپوزیشن کی حکومت کو بدل دیا گیا۔ انہوں نے ہنستے ہوئے کہا، کبھی ہم بھی حکومتوں کے اکھاڑ پچھاڑ کے حق میں ہوتے تھے۔ اس موقع پر سامنے قطار میں موجود بسنتی رنگ کی پگڑی باندھے ہوئے سردار جی کو انہوں نے مخاطب کیا، کیوں سردار جی! بات صاف ہونی چاہیے نا! انہیں اس اعتراف میں بھی کوئی باک نہ تھا کہ اپنی گزشتہ حکومت کے دوران بلوچستان میں اپنے بعض ساتھیوں کے جھانسے میں آ کر اختر مینگل کی جگہ اپنا وزیر اعلیٰ لانا ان کی غلطی

تھی۔ وہ کہہ رہے تھے ہم نے ماضی سے سیکھا ہے کہ سیاسی اکھاڑ پچھاڑ ملک میں جمہوری عمل ہی کے لئے نہیں قومی معیشت کے لئے بھی نقصان کا باعث بنتا ہے۔ ماضی کے تلخ تجربات کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جہاں جس کا مینڈیٹ ہے، اس کا احترام کیا جانا چاہیے۔ یہ کسی پر احسان نہیں بلکہ خود پاکستان کی ضرورت ہے۔ اسٹیٹس مین شپ یہ بھی ہے ریاست کا مفاد ذاتی اور جماعتی مفاد سے عزیز تر ہو۔ ان دنوں عمران خان یہ بات بتکرار کہہ رہے ہیں کہ وزیرِ اعظم نواز شریف نے اوبامہ سے ملاقات میں ڈرون حملوں کی بات نہ کی۔ کنونشن سینٹر کی اس گفتگو میں وزیراعظم نے یاد دلایا کہ اوبامہ سے ملاقات کے بعد میڈیا سے گفتگو میں انہوں نے بتایا تھا کہ انہوں نے امریکی صدر سے ڈرون حملوں کی بات بھی کی ہے۔ اوبامہ نے سرہلا کر اس کی تائید کی تھی (نجم سیٹھی نے بروز جمعرات 21 نومبر2013ء اپنے پروگرام میں یہ فوٹیج دکھا دی تھی)۔ وزیراعظم پاکستان کا کہنا تھا کہ ہم دوہرے معیار والے نہیں کہ کہیں کچھ اور کریں کچھ۔ انہوں نے کہاں کہ حالیہ ڈرون حملوں پر چوہدری نثار علی خاں کھل کر بات کر چکے ہیں۔ طالبان کے ساتھ مذاکرات کی تیاری تھی کہ ڈرون ہو گیا۔ ڈرون حملے پاکستان کے ساتھ سخت ظلم اور زیادتی ہے جو ہمیں کسی قیمت پر قبول نہیں۔ دہشت گردی کے خاتمے کے لئے مذاکرات اچھا آپشن تھا اور یہ اب بھی موجود ہے۔ انہوں نے کہا کہ قومی معیشت کے فروغ کے لئے انتہا پسندی اور دہشت گردی کا خاتمہ ضروری ہے جس کے لئے سخت ترین اور غیر معمولی اقدامات سے بھی گریز نہیں کیا جائے گا۔ مجرموں کو جلد از جلد کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے قوانین میں ضروری اصلاحات بھی لائی جائیں گی تاکہ مجرموں کو عبرت کی مثال بنایا جا سکے۔ وزیرِ اعظم نے اس یقین کا اظہار کیا کہ یہ کنونشن قومی معیشت کی بحالی اور2025ء تک قومی تقاضوں کے لئے منصوبہ بندی میں اہم کردار ادا کرے گا۔ وفاقی وزیر خزانہ جناب اسحاق ڈار موجودہ کابینہ میں مظلوم ترین وزیرِ ہیں۔ قومی معیشت کچھ سخت تر فیصلوں کی متقاضی ہے جس پر جنابِ اسحاق ڈار تنقید اور تضحیک کا نشانہ بنتے ہیں۔ اپنے خطاب میں انہوں نے تباہ حال معیشت کا ذکر کیا جو انہیں ورثے میں ملی تھی۔ انہوں نے اپنے سخت تر فیصلوں کا جواز اور مستقبل کی خوش کن تصویر بھی پیش کی۔

کنونشن کے افتتاحی اجلاس کے بعد قومی زندگی کے مختلف شعبوں کے حوالے سے تقریباً پچاس ورکنگ گروپ سر جوڑ کر بیٹھے اور آئندہ پانچ سالہ منصوبے اور بصیرت2025ء کے لئے اپنی تجاویز مرتب کیں۔ جناب احسن اقبال بتا رہے تھے کہ آج ملک کے حالات سرمایہ کاری کے لئے ناسازگار ہیں لیکن پاکستانی سرمایہ کاروں اور صنعت وتجارت میں قومی معیشت کی بحالی کے لئے جوش وخروش اس سے کہیں بڑھ کر ہے جو 2010ء کے پروگرام کے حوالے سے دیکھنے میں آتا تھا۔

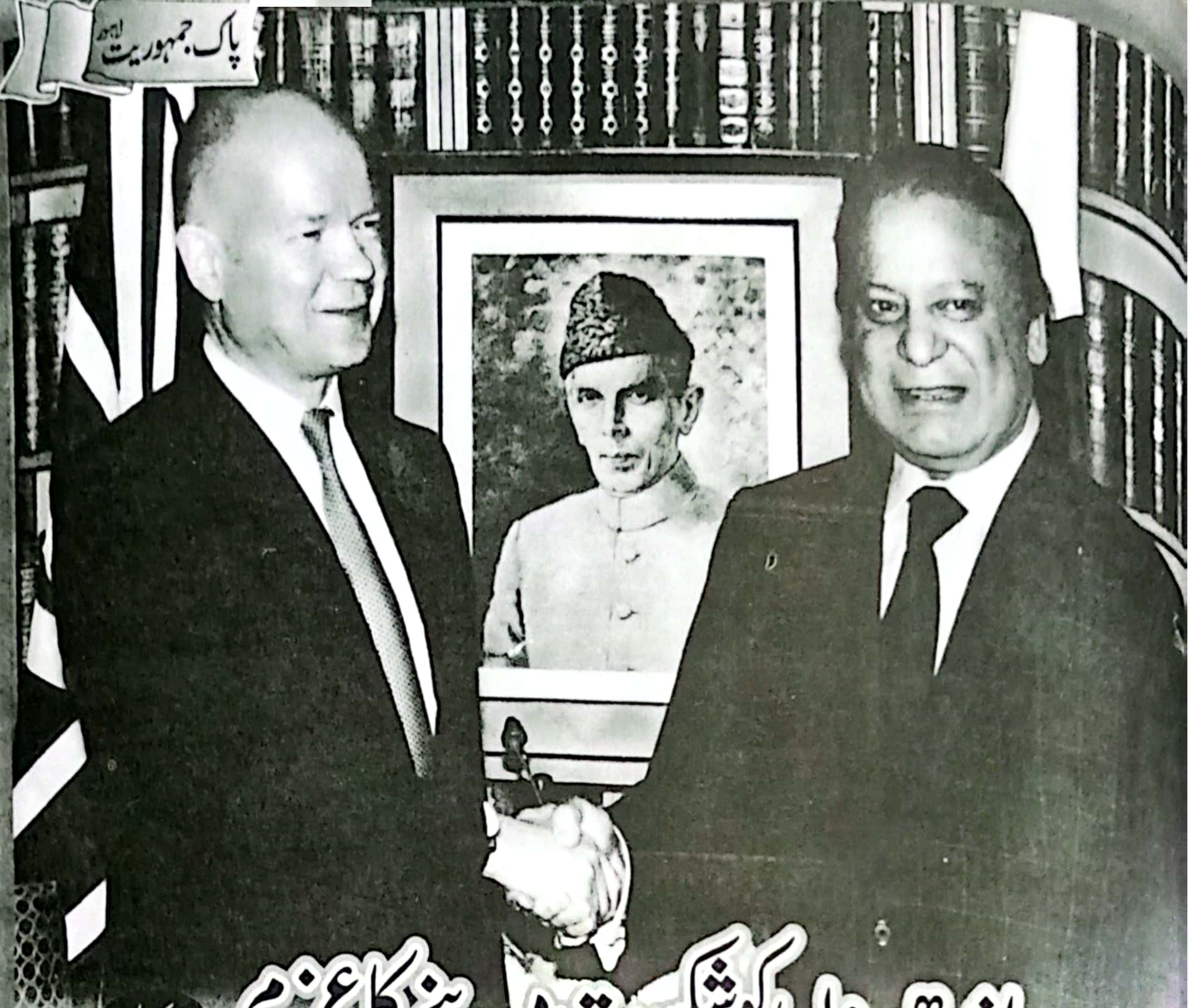

اندھیروں کو شکست دینے کا عزم

مدیحہ ساجد

وزیراعظم پاکستان اور وزیراعلیٰ پنجاب کے غیر ممالک کے دورے ملک کو توانائی سے نکالنے کی جانب اہم قدم ہے۔ آج کل وطن عزیز دہشت گردی، توانائی کی کمی اور اس جیسے کئی مسائل کا شکار ہے۔ ایک جانب دہشت گردی نے عوام کو ایک انجانے خوف میں مبتلا کر رکھا ہے۔ دوسری جانب توانائی کے بحران نے معیشت کے پہیے کو جامد کر دیا ہے لیکن یہ بات باعثِ اطمینان ہے کہ موجودہ سیاسی قیادت ملک کو درپیش مسائل کا مکمل ادراک رکھتی ہے۔ دہشت گردی کے خاتمے کے لئے گزشتہ دنوں اے پی سی میں تمام سیاسی جماعتوں کو اکٹھا کیا گیا اور روک تھام کے لئے مختلف تجاویز کا سنجیدہ جائزہ لیا گیا۔ اسی طرح توانائی کے بحران کے خاتمے اور اس کے مستقل بنیادوں پر حل کے لئے وزیراعظم پاکستان محمد نواز شریف، شہباز شریف و دیگر ارباب اقتدار مثبت اور سنجیدہ کوششوں میں معروف ہیں۔ اس سلسلے میں گذشتہ دنوں پنجاب کے وزیراعلیٰ شہباز شریف نے دوست ممالک کا دورہ کیا جہاں نہ صرف حکومتی سطح پر سرمایہ کاروں سے ملاقاتیں کیں بلکہ توانائی کے حصول کے لئے مختلف وسائل اور طریقہ کار پہ بھی غور کیا گیا۔ دورے کے پہلے مرحلے پر وزیراعلیٰ اپنے وفد کے ہمراہ برادر ملک ترکی کے دارلحکومت استنبول پہنچے۔ وزیراعلیٰ کا وعدہ تھا کہ ملک میں توانائی کے بحران پر قابو پانے کے لئے انہیں کہیں بھی جانا پڑا ضرور جائیں گے لیکن ملک میں معیشت کا رکا ہوا پہیہ ضرور چلا کر دم لیں گے۔ اپنے اسی وعدے کی تکمیل کے لئے میاں شہباز شریف نے ترکی کا دورہ کیا۔ استنبول میں وزیراعلیٰ نے ترکی کے وزیراعظم طیب اردگان سے ملاقات کی اور ان کے ہمراہ ایک عوامی تقریب میں بھی شرکت کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے وزیراعلیٰ نے ترک عوام کا شکریہ ادا کرتے ہوئے

کہا کہ دونوں ملکوں کے عوام کے دل ایک ساتھ دھڑکتے ہیں۔ ترکی حکومت اور عوام نے ہمیشہ مشکل وقت میں ہماری مدد کی ہے۔ اس وقت بھی پاکستانی قوم توانائی کے بحران کا شکار ہے۔ ہمیں امید ہے کہ لاہور میں میٹرو بس سسٹم اور شہر کی صفائی کے انتظامات کی طرح اس بحران پر بھی قابو پانے کے لئے ٹرکی کی حکومت، عوام اور سرمایہ کار ہماری ہرممکن مدد کریں گے۔

اپنے دورے کے دوسرے مرحلے پر وزیر اعلیٰ جرمنی کے شہر برلن پہنچے۔ جہاں آپ نے پاکستان بزنس فورم کی قیادت کی اور توانائی کی بین الاقوامی کمپنیوں کے سربراہوں اور نمائندوں سے ملاقاتیں کیں۔ ملاقات کے دوران آپ نے کہا کہ اندھیرے میرے پاکستان کے عوام کا مقدر نہیں ہیں دوست ممالک کی مدد سے یقیناً جلد ہی ان اندھیروں کو شکست دینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ لوڈشیڈنگ کے باعث صنعت و حرفت اور زراعت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے مجھے یقین ہے کہ جرمنی کا حالیہ دورہ لوڈشیڈنگ کے خاتمے کے لئے ایک قدم ہوگا پاکستان خصوصاً پنجاب میں سرمایہ کاری کے بے تحاشہ امکانات ہیں۔ ملاقات کے دوران گنے کی پھوک اور دیگر غیر روایتی طریقوں سے توانائی پیدا کرنے کی تجاویز کو حتمی شکل دی گئی۔ میاں شہباز شریف نے برلن میں اور اس کے گرد نواح میں کئی شمسی توانائی کی تنصیبات اور بجلی پیدا کرنے والے یونٹوں کا دورہ کیا اور وہاں استعمال کی جانے والی جدید ٹیکنالوجی کا جائزہ لیا۔

دورے کے آخری مرحلے پر میاں شہباز شریف پاک یو کے انرجی کانفرنس میں شرکت کے لئے لندن پہنچے۔ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے کہا کہ کوئی ملک توانائی بحران ختم کئے بغیر ترقی نہیں کرسکتا۔ برطانوی حکومت اگر ہمارے ملک میں توانائی بحران کا خاتمہ چاہتی ہے تو اسے چاہیے کہ اپنے سرمایہ کاروں کو پاکستان میں توانائی کے شعبے میں سرمایہ کاری کے لئے طویل المدت قرضے فراہم کرے۔ کانفرنس میں برطانوی ارکان پارلیمنٹ، سفارتکاروں، اعلیٰ حکام اور ممتاز سرمایہ کاروں نے شرکت کی۔ پاکستان کے وزیراعظم میاں محمد نواز شریف نے کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہماری حکومت 480 ارب روپے کا گردشی قرضہ ادا کر کے ملک کے مستقبل کو اندھیروں سے بچالیا ہے۔ ہمارے پاس لوڈشیڈنگ کے خاتمے کے لئے کئی منصوبے ہیں اور ان پر عمل درآمد یقینی بنانے کے لئے ہم دوست ممالک کے دورے کر رہے ہیں۔ مندوبین نے اپنی تقاریر میں موجودہ حکومت کی توانائی کے شعبے میں کاوشوں کو نہ صرف سراہا بلکہ ان کی کامیابی کے لئے ہرممکن مدد و تعاون کا بھی یقین دلایا۔

وزیراعظم پاکستان میاں نواز شریف کا دورہ امریکہ اس سلسلے کی اہم کڑی ہے۔ وہاں وزیراعظم نے امریکی سرمایہ کاروں کو پاکستان میں توانائی کے شعبے میں سرمایہ کاری کی دعوت دی اور انہیں ہر ممکن تعاون کی پیشکش بھی کی۔ امریکی صدر اوباما، دیگر حکومتی وزراء اور اراکین سے ملاقاتوں میں توانائی بحران پر قابو پانے کی تجاویز زیر بحث آئیں۔ امریکی حکومت نے بھی توانائی بحران کو پاکستان کا نمبر ایک مسئلہ قرار دیا اور اس بحران کے خاتمے کے لئے یو ایس ایڈ پروگرام کے تحت ہرممکن تعاون و مدد کا وعدہ کیا۔

وزیراعظم پاکستان اور وزیر اعلیٰ پنجاب کے غیر ممالک کے دورے یقیناً پاکستان کی ترقی اور مسائل کے خاتمے میں اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں اور وقت کے ساتھ ساتھ مثبت نتائج سامنے آنا شروع ہوں گے وہ دن دُور نہیں جب موجودہ حکومت ملک کو اندھیروں سے نکال کر قوم کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کا وعدہ پورا کرے گی۔

وزیراعظم پاکستان اور وزیر اعلیٰ پنجاب کے غیر ممالک کے دورے یقیناً پاکستان کی ترقی اور مسائل کے خاتمے میں اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں اور وقت کے ساتھ ساتھ مثبت نتائج سامنے آنا شروع ہوں گے وہ دن دُور نہیں جب موجودہ حکومت ملک کو اندھیروں سے نکال کر قوم کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کا وعدہ پورا کرے گی

راجہ عابد پرویز

بلدیاتی انتخابات اور ووٹرز کا تربیتی پروگرام

الیکشن کمیشن نے ملک بھر میں بلدیاتی انتخابات کے حوالے سے سپریم کورٹ کے فیصلے پر عملدرآمد شروع کر دیا ہے۔ بلوچستان میں انتخابات کے لئے شیڈول جاری ہو چکا ہے جبکہ سندھ اور پنجاب کے شیڈول کی تاریخیں پیش کر دی گئی ہیں، خیبر پختون خوا، کنٹونمنٹ بورڈز اور اسلام آباد میں 28 فروری سے قبل انتخابی عمل مکمل کرنے کے لئے متعلقہ صوبوں اور اداروں کو الیکشن قوانین، رولز اور حلقہ بندیوں سمیت دیگر تیاریاں مکمل کرنے کے لئے حتمی تاریخ دے دی گئی ہے۔ پنجاب، سندھ اور بلوچستان نے الیکشن کمیشن کو انتخابات کی تاریخوں میں توسیع کرنے کی درخواستیں دے رکھی تھیں مگر الیکشن کمیشن نے انہیں مسترد کر دیا، اسی طرح مقناطیسی سیاہی مہیا کرنے والے ادارے پی سی ایس آئی آر اور پرنٹنگ کارپوریشن نے بھی مقرر مدت کے اندر سیاہی اور بیلٹ پیپرز مہیا کرنے سے معذرت کی جسے الیکشن کمیشن نے مسترد کر دیا اور ہر صورت میٹریل مہیا کرنے کا حکم دیا ہے۔

بلدیاتی انتخابات کے لئے گزشتہ شیڈول جو کہ پنجاب، سندھ اور بلوچستان کی حکومتوں نے سپریم کورٹ میں پیش کیا تھا کی الیکشن کمیشن مخالفت کرتا رہا اس لئے کہ وقت کم ہے جس وجہ سے تیاریاں ممکن نہیں، مگر اس بار الیکشن کمیشن نے تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھ کر سندھ اور پنجاب میں انتخابات کی حتمی تاریخیں دے دیں، الیکشن کمیشن کا کہنا ہے کہ موجودہ بلدیاتی الیکشن عام انتخابات سے بڑا اور پیچیدہ الیکشن ہے، اس میں ایک ووٹر کے پاس 7 رنگوں کی پرچیاں

ہوگی،اس لئے نہ صرف ووٹرز کو تربیت کی ضرورت ہے بلکہ الیکشن عملہ کے لئے بھی تربیتی پروگرام شروع کرنے ہوں گے۔ الیکشن کمیشن نے ووٹرز کی تربیت کے لئے بڑے پیمانے پر تربیتی پروگرامز شروع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ کنٹونمنٹ بورڈز کے انتخابات کے لئے ابھی تک آرڈیننس جاری نہیں ہوا،اس کے لئے ایک خصوصی کمیٹی تشکیل دی گئی تھی مگر اس نے بھی ابھی تک اپنی رپورٹ وزیراعظم کونہیں بھجوائی۔کنٹونمنٹ بورڈز میں فریقین کے درمیان اختیارات کے حصول پر اختلاف پایا جاتا ہے،حکومت چاہتی ہے کہ کنٹونمنٹ میں سویلین کے پاس زیادہ اختیارات ہوں اور کنٹونمنٹ کا سربراہ سویلین ہو جبکہ کنٹونمنٹ انتظامیہ یہ نہیں چاہتی، کنٹونمنٹ بورڈز کے انتخابات کے حوالے سے ایک رائے یہ بھی ہے کہ سویلین اور فوجی نمائندوں کی تعداد ففٹی ففٹی ہومگراس پر بھی فیصلہ نہیں ہو سکا،اس لئے الیکشن کمیشن نے فیصلہ کیا ہے کہ اگرآرڈیننس مقررہ مدت میں جاری نہ ہوا تو پرانے قوانین کے تحت ہی کنٹونمنٹ بورڈز میں انتخابات کرادیے جائیں گے۔اسی طرح اسلام آباد میں انتخابات کے لئے بھی الیکشن کمیشن نے حکومت کو کہا ہے کہ نئے الیکشن قوانین تیار کرے تاکہ بروقت انتخابات کرائے جاسکیں۔سندھ اور پنجاب میں بلدیاتی انتخابات کے لئے پیش کی جانے والی

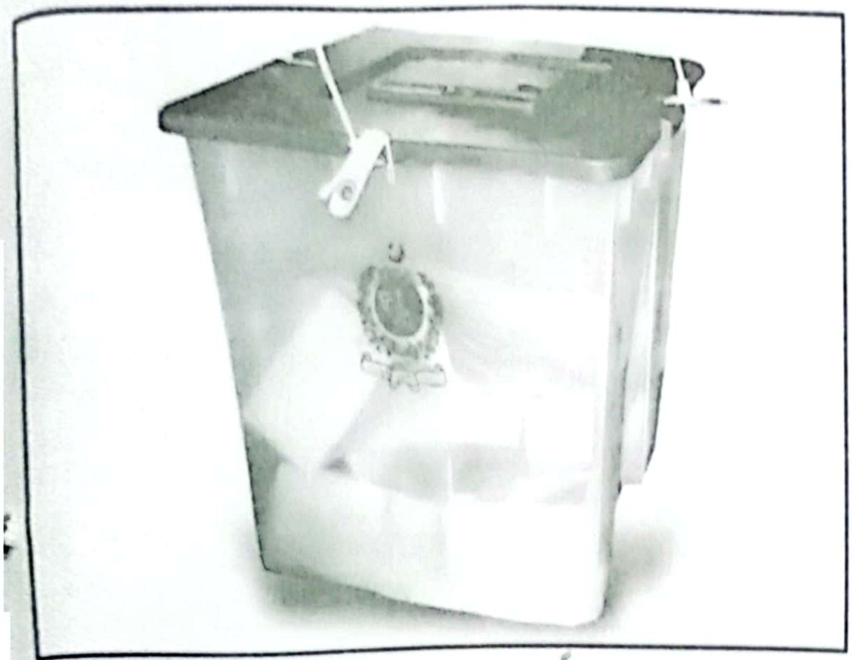

تاریخوں کے مطابق کاغذات نامزدگی 10 سے 13 دسمبر تک داخل کرائے جاسکیں گے، کاغذات نامزدگی پر اعتراضات 14 دسمبر، سکروٹنی کا عمل 15 سے 19 دسمبر تک جاری رہے گا۔کاغذات نامزدگی مسترد اور منظور ہونے کے خلاف اپیلیں 20 سے 21 دسمبر تک داخل کرائی جاسکیں گی،22 سے 25 دسمبر کو اپیلیں نمٹائی جائیں گی،26 دسمبر کو حتمی فہرست جاری کردی جائے گی۔الیکشن قوانین ،رولز اور حلقہ بندیوں کا کام مکمل کرنے کے لئے سندھ اور پنجاب کو 28 نومبر تک مہلت دی گئی ہے۔جس کے بعد 29 نومبر کو الیکشن شیڈول جاری کردیا جائے گا۔اس بار 70 لاکھ نامزدگی فارم چھاپے جائیں گی،10 لاکھ سندھ کے لئے اور 60 لاکھ پنجاب کے لئے ،اسی طرح دونوں صوبوں کے لئے مجموعی طور پر 11 کروڑ بیلٹ چھاپے جائیں گے، پرنٹنگ کارپوریشن نیم سرکاری اداروں کی مدد لے سکتا ہے، مگر پرائیویٹ پرنٹنگ پریسوں سے بیلٹ پیپرز کی چھپائی نہیں کروائی جاسکتی۔ پی سی ایس آئی آر سندھ کے لئے مقناطیسی سیاہی کے 10 لاکھ پیڈ اور 1 لاکھ 25 ہزار سیاہی کی بوتلیں جبکہ پنجاب کے لئے 15 لاکھ پیڈ اور 3 لاکھ سیاہی کی بوتلیں مہیا کرے گا۔ بلوچستان میں پہلے شیڈول کے مطابق ہی بلدیاتی انتخابات ہوں گے،وہاں 22 نومبر تک مقناطیسی سیاہی پہنچ جائے گی جبکہ باقی الیکشن میٹریل پہنچ چکا ہے ،ڈسٹرکٹ خضدار،خیبر پختون خوا میں یونین کونسلوں کی سطح پر غیر جماعتی بنیادوں پر انتخابات ہونگے جبکہ تحصیل اور ضلع کی سطح پر جماعتی بنیادوں پرالیکشن کرائے جائیں گے،اب پورے ملک میں ہی بلدیاتی انتخابات جماعتی بنیادوں پر ہورہے ہیں،جس کی وجہ سے اب عوام کے جوش وخروش میں مزید اضافہ ہوگیا ہے۔

CamScanner

سفرنامہ، قسط نمبر۱۲ (آخری قسط)

سفر وادئ سوات

سید عمرالدین حسنین

بحرین..........کالام

ناشتہ ہوٹل سے باہر حلوہ پوری سے کیا، اوپر سے لسی غٹ غٹائی اور گھومتے پھرتے، دلفریب نظاروں کا نظارہ کرتے، اپنی اگلی منزل کالام کی دلفریبیوں کے متعلق سوچتے، گپ شپ لگاتے، بازار کے آخری کنارے جا پہنچے اور دس بجے بذریعہ اوپن ویگن کالام کی جانب محوسفر ہوئے۔ دریائے سوات تیزی کے ساتھ شور مچاتا، جھاگ اڑاتا، اچھلتا، سر پٹکتا، سانپ کی مانند بل کھاتا، پھنکارتا، مخالف سمت میں دوڑتا چلا جارہا تھا اور جگہ جگہ پہاڑی ڈھلوانوں سے مزید پانی اس میں شامل ہو رہا تھا۔ سڑک مسلسل اوپر کی جانب اور دریائے سوات نیچا ہوتا جارہا تھا۔ دُور پہاڑ کی چوٹی پر برف عجب بہار دکھارہی تھی۔ راستے میں لمبے، اونچے اخروٹ اور کائل کے درخت سر اُٹھائے نظر آئے۔ عجب سادہ مگر دلکش مکانات اور زیرِ تعمیر جدید ہوٹل بھی دکھائی دیئے۔ دُور بہت دُور بلند و بالا کے ٹو کی دیو مالائی چوٹی بھی نظروں کو خیرہ کر گئی۔ گیارہ بجے کالام پہنچ گئے۔ کالام جس کا سیب اپنی مٹھاس اور لذت کی بنا پر دنیا بھر میں مشہور ہے۔ کالام، وادئ سوات کا ایک اور دلکش، حسین و جمیل سیاحتی مقام ہے اور سچ تو یہ ہے کہ کالام کے بغیر وادئ سوات کی سیر نامکمل ہے۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی چھ ہزار آٹھ سو فٹ ہے۔ یہیں پر وادئ سوات کا بلند ترین پہاڑ فلک شیر ہے۔ اس پہاڑ کی بلندی بیس ہزار فٹ ہے۔ سارا سال برف سے ڈھکا رہنے والا ''فلک شیر'' یہاں کے حسن میں اور زیادہ اضافہ کرتا ہے، خدا کی عظمت کی یاد دلاتا ہے۔ کالام کے وسیع علاقے میں جنگلات ہیں۔ وادئ کالام دو حصوں یعنی بالائی کالام اور زیریں

کالام میں منقسم ہے۔ بالائی کالام میں جدید طرز کے ہوٹلوں کے علاوہ PTDC کا ہوٹل بھی ہے۔ کھیلوں کے لئے ایک کھلا میدان ہے۔ جس میں سکاؤٹس بھی اپنا کیمپ لگاتے ہیں۔ سکول، ہسپتال، ٹیلیفون ایکسچینج، ریسٹ ہاؤس، پولیس چوکی اور دریائے سوات کے سنگھم پر واقع ہے۔ یہاں دریائے اتروڑ پہ لکڑی کا ایک پُل ہے جس پر کھڑے ہو کر اِرد گرد کے حسین مناظر کیمرے کی آنکھ میں بند کرنا سیاحوں کی عادت بن گیا ہے۔ ایک چھوٹا سا بازار، چند ہوٹل، ایک عجوبہ روزگار تاریخی مسجد اور دریا کے کنارے ٹھنڈے یخ پانی میں رکھی لکڑی کے بینچ اور چارپائیاں، کسی اور ہی دنیا کی یاد دلاتی ہے۔ جب ہم کالام پہنچے تو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ یہاں تفریح کے لئے آنے والوں کا ایک ہجوم تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہاں کے دلفریب مناظر اور بہترین رہائشی سہولتوں اور مینگورہ سے کالام تک کشادہ سڑک کی وجہ سے سارا سال سیاحوں کی آمد و رفت رہتی ہے۔ دکانیں ملکی و غیر ملکی اشیاء سے بھری پڑی ہیں۔ ان میں ہاتھ سے بنی ہوئی سواتی مصنوعات کے علاوہ نادر اشیاء آنکھوں کو خیرہ کرتی ہیں۔ ہم نے یہاں خریداری بھی کی اور خاص طور پر تمام دوستوں نے سواتی پٹی بھی خریدی۔ یہ اُون سے بنی ہوئی مقامی سواتی ٹوپی ہے جس کی قیمت صرف 16 روپے۔ میں اور ارشد آگے کافی دُور اندر ایک پرانی سی دکان میں جا گھسے۔ ارشد کے پوچھنے پر بزرگ دکان دار نے ہمیں مشک نافہ تھیلی سے نکال کر دکھلایا، قیمت ساڑھے پانچ ہزار بتلائی۔ یہ ہماری قوت خرید سے زائد تھا لہٰذا ہم نے معذرت کی اور جب واپس دوستوں میں آن ملے تو معلوم ہوا کہ شہزاد، عزیز اور محمود نے سلاجیت خرید لی ہے۔ نہ صرف خریدی ہے بلکہ اس کی چینی منی خوراک بھی کھائی ہے۔ محمود کے تو نکسیر بھی پھوٹ پڑی اور اب وہ لسی پیتا پھر رہا ہے مگر فکر کی کوئی بات نہیں، اس کا معدہ بڑا ڈھیٹ واقع ہوا ہے۔ سلاجیت کو ہار ماننا پڑے گی اور یہی ہوا بھی، وہ ہمیں ہشاش بشاش ہنستا مسکراتا نظر آیا۔ اور جب ہم شاپنگ کرتے، گپیں لگاتے، کالام کے حسین مناظر کی تعریف کرتے، لکڑی کے بنے ہوئے پُل پر پہنچے تو حیرت سے ہماری آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ لکڑی کے جس پُل پر ہم کھڑے تھے وہ خود بھی عجوبہ لگ رہا تھا۔ ہمارے بائیں جانب مسجد، اُوپر سڑک، عمارتیں، درخت اور ہمارے دائیں جانب دکانیں، ہوٹل اور تفریح کے لئے آئے ہوئے چلتے پھرتے لوگوں کی بھیڑ اور سامنے کافی دُور تک پھیلا ہوا پانی، اس پانی میں دُور تک اُبھرے ہوئے چھوٹے بڑے پتھر، درختوں سے سجے پہاڑ اور نیلے آسمان پر تیرتے پتھر، درختوں سے سجے پہاڑ اور نیلے آسمان پر تیرتے بادل۔ بازار کے ساتھ ساتھ پانی میں رکھے بینچ اور چارپائیاں اور ان پر براجمان مرد و زن، کھانے پینے میں مصروف نظر آئے۔ ابھی ہم اس الف لیلوی منظر کو کیمرے کی آنکھ میں سمونا ہی چاہتے کہ پُل لرزنے لگا ''ہم گھبرا گئے'' دیکھا کہ ایک جیپ پُل پر سے گزر رہی ہے۔ ہم جلدی سے دوسرے کنارے کی طرف لپکے اور کنارے پر پہنچ کر سُکھ کا سانس لیا۔ چہل قدمی کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ سامنے پھیلے ہوئے پانی کے قریب پہنچے، لوگوں کی دیکھا دیکھی، جوتے اُتار پانی میں قدم رکھا ہی تھا کہ نانی یاد آ گئی۔ ٹھنڈا یخ پانی۔ سارے بدن میں سنسناہٹ پیدا ہو گئی، پاؤں یوں پیچھے ہٹایا جیسے کرنٹ لگا ہو۔ ہمیں اپنی صحرائی ریت یاد آ گئی، جس طرح جون، جولائی کی گرم دوپہر میں تپتی ریت پر پاؤں رکھے نہیں جا سکتے، بالکل اسی طرح کی صورت حال اس یخ ٹھنڈ سے پانی میں قدم رکھتے ہوئے پیش آئی۔ اللہ کی شان، وہ بزرگ و برتر بڑی عظمتوں والا ہے۔ اب ہمیں معلوم ہوا کہ اس کریم نے ان پتھروں کو پانی میں جمے رہنے کا حکم کیوں دیا ہے۔ لہٰذا ہم بھی ان پتھروں پر قدم رکھتے آگے بڑھتے رہے۔ فوٹو گرافی بھی کی۔ بہت ہی پیارا پکنک پوائنٹ ہے۔ صاف شفاف پانی، سر بفلک پہاڑ، نیلگوں آسمان، سبز میدان، عورت، مرد، بوڑھے، بچے، جوان، نگاہ حیران۔ یہ ہے وادئ سوات کا کالام جہاں پر خوش سب انسان۔ یہاں پیش آنے والی ایک اور دلچسپ بات آپ کو بتلاتا چلوں۔ ایک صاحب اپنے دو بچوں کو نکر پہنائے، بہتے پانی کی طرف کھینچتے ہوئے لئے جا رہے تھے اور بچے نہ جانے کی ضد کر رہے

تھے۔ ہمارے پوچھنے پر انکشاف ہوا، موصوف انہیں نہلانے جا رہے ہیں۔ ہم نے کہا خدا کا خوف کریں، بچوں کو نمونیہ ہو جائے گا۔ دائیں جانب پانی میں چند مقامی لڑکے نہا رہے تھے، ہم نے نہانے والوں کی جانب اشارہ کر کے ان صاحب سے کہا کہ جناب ان کا تعلق تو سلاجیت کھانے والی قوم سے ہے۔ ہماری اس بات پر وہ شرمندہ بھی ہوئے اور اپنے ارادے سے باز آئے۔ یہاں ہم بہت دیر تک رُکے۔ جانے کو جی نہ چاہتا تھا۔ ہوٹل والوں نے دریا کے اس پانی میں کناروں پر بوتلیں ٹھنڈی کرنے کے لئے ڈالی ہوئی تھیں۔ پانی میں پڑی چار پائیوں پر بیٹھ کر دو بجے دوپہر چپل کباب کھائے اور ایک ایک بوتل بھی غٹغٹائی۔ چاروں طرف رونق تھی۔ کھانے کے بعد واپسی پر لکڑی کے پُل کے قریب واقع مسجد میں نماز ادا کی۔ بازار آئے۔ آگے گلیشئر تک جانے کے لئے کرائے پر جیپ لی۔

کالام..........گلیشئر

گلیشئر..........مینگورہ

سوا تین بجے گلیشئر کے لئے روانہ ہوئے۔ کالام کے قریب ہی سے ایک اور راستہ بائیں طرف یعنی شمالی جانب اتروڑ اور گبرال کے لئے چلا جاتا ہے۔ سڑک کی حالت خراب ہے۔ ان راستوں میں چاروں طرف جنگل ہیں۔ اتروڑ سے بہت کم وقت میں پیدل دیر کے لئے بھی جایا جا سکتا ہے۔ لیکن ہم دریائے سوات کے بائیں طرف سے موڑ کاٹ کر مشرق کی طرف گلیشئر کے لئے چڑھائی کی طرف جا رہے تھے۔ ہم اوشو کے قریب سے گزرے۔ اب دریائے سوات ہماری بائیں جانب آ گیا اور جب مٹلتان سے ہمارا گزر ہوا تو یوں محسوس ہوا کہ یہ پورا علاقہ قدرتی ایئر کنڈیشن ہے۔ عقل حیران پنجاب کا ملتان گرم تر اور خیبر پختونخوا کا مٹلتان سرد تر۔ فرق تو صرف ٹ کا ہی ہے نا۔ یعنی ٹ سے بذریعہ نور ملتان سے مٹلتان اور پھر دیکھ خدا کی شان۔ ان علاقوں میں بہت زیادہ برف باری ہوتی ہے اور سردیوں میں تو ان علاقوں تک پہنچنا ناممکن ہوتا ہے۔ اب جیپ سڑک سے نیچے اُتر آئی اور کچھ ہی دیر بعد گلیشئر پر پہنچ گئے، چار بج رہے تھے۔ غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ ہم برف پر کھڑے ہیں۔ ہماری طرح اور بھی بہت سے لوگ حیرانی سے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ شاید پورا پہاڑ ہی برف کا تھا۔ برف قطرہ قطرہ پگھل پگھل کر پانی اور یہ پانی نالے کی صورت میں بہہ رہا تھا اور یہی نالے آگے جا کر ندی اور پھر دریا بن جاتے ہیں۔ ایک اور نئی دلچسپ بات کہ جس جگہ ہم کھڑے تھے وہاں نچلی سطح سے برف پگھلنے کے بعد خلا پیدا ہو چکا تھا۔ ہم نے جلدی سے یہ جگہ چھوڑ دی اور دُور جا کھڑے ہوئے جہاں کچھ مقامی لوگ بیلچوں سے برف توڑنے میں مصروف تھے۔ کلہاڑیوں سے لکڑی کاٹتے تو دیکھا تھا لیکن آج بیلچوں سے برف کاٹتے بھی دیکھ لیا۔ مقامی لوگوں کو برف کاٹتے دیکھ کر بڑا عجیب سا لگا۔

ذرا تصوراتی آنکھ سے دیکھئے کہ سارے پہاڑ پر برف کی موٹی تہہ جمی ہے، یہ پگھل بھی رہی ہے اور نیچے برف پگھلنے سے خلا بھی ہوں گے اور اسی کے ساتھ زندگی کی جدوجہد میں مصروف انسان۔ آفرین ہے یہ باہمت لوگ زندگی اسی بے جگری سے گزارتے ہیں۔ ایک مقامی شخص نے بتایا کہ گلیشئر پر سارا سال برف جمی رہتی ہے۔ گلیشئر سے آگے مہوڈنڈ ہے۔ مہوڈنڈ کے معنی مچھلیوں کے تالاب کے ہیں۔ مہوڈنڈ ایک قدرتی جھیل ہے۔ اس جھیل میں ٹراؤٹ مچھلی بھی پائی جاتی ہے۔ ٹراؤٹ بڑی نایاب اور مہنگی مچھلی ہے۔ ٹھنڈے یخ پانی میں زندگی گزارتی ہے۔ مہوڈنڈ میں ٹراؤٹ مچھلی بکثرت ہوتی ہے۔ اس لئے یہاں اس کا شکار آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ بحرین کے ایک ہوٹل میں ہم ٹراؤٹ مچھلی کے مہنگے ذائقے سے آشنا ہو چکے تھے۔ اکثر سیاح گلیشئر سے ہی واپس کالام لوٹ آتے ہیں۔ ہم بھی برف سے لطف اندوز ہونے اور چند فوٹو بنانے کے بعد پونے پانچ بجے واپس روانہ ہوئے اور سوا پانچ بجے کالام پہنچے۔ یہاں سے ویگن میں بیٹھ، راستے میں قدرتی مناظر کو حیرت اور خوشی سے دیکھتے ہوئے بحرین کے لئے روانہ ہوئے۔ غور سے دیکھا تو افضل خان ڈرائیو کر رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی مینگورہ میں ویگن سے اُتر کر ہاتھ ملاتے وقت اس کی خاموش مسکراہٹ یاد آ گئی اور اپنے کہے الفاظ بھی کہ آئندہ تمہاری ویگن میں سوار نہیں ہوں گے۔ شاید اس

مسکراہٹ کا مطلب یہی تھا جواب ہماری سمجھ میں آ رہا تھا کہ یار زندہ محبت باقی۔ لیکن اب ہم وادیٔ سوات کے راستوں سے مانوس ہو چکے تھے اور ہم محسوس کر رہے تھے کہ یہ راستے بھی ہمیں جاننے لگے ہیں۔ تبھی تو اب ہمیں ان راستوں کی خطرناکی اور افضل خان کی تیز رفتاری کا کوئی خوف نہیں تھا بلکہ ان راستوں کا ٹیڑھا میڑھا پن ہمیں بھلا لگنے لگا تھا۔ راستے بھر افضل خان سے سوات کے سفر کی باتیں کرتے آئے۔ سات بجے ہم بحرین پہنچے۔ فوراً ہی ہوٹل سے سامان اُٹھایا اور اسی ویگن میں مینگورہ جانے کے لئے سوار ہوئے۔ پونے آٹھ بجے بحرین سے مینگورہ کے لئے روانہ ہوئے۔ رات شروع ہو چکی تھی۔ چاروں طرف اندھیرا تھا۔ کہیں کہیں روشنیاں نظر آئیں۔ یوں لگا جیسے اندھیری رات میں جگنو چمک رہے ہوں۔ سفر خوشگوار گزرا۔ نو بجے مینگورہ پہنچ گئے اور دوبارہ المنصور ہوٹل کمرہ نمبر 21 ہی میں جا ٹھہرے۔ درمیانے درجے کا اچھا ہوٹل ہے۔ کھانے کے بعد فیصلہ کیا کہ کل مینگورہ کے قریبی مقامات مالم جبہ اور مرغزار کی سیر کے بعد سیدھے پشاور اور وہاں سے بہاول پور روانگی ہوگی۔ رات سچ مچ گھوڑے بیچ کر سوئے۔

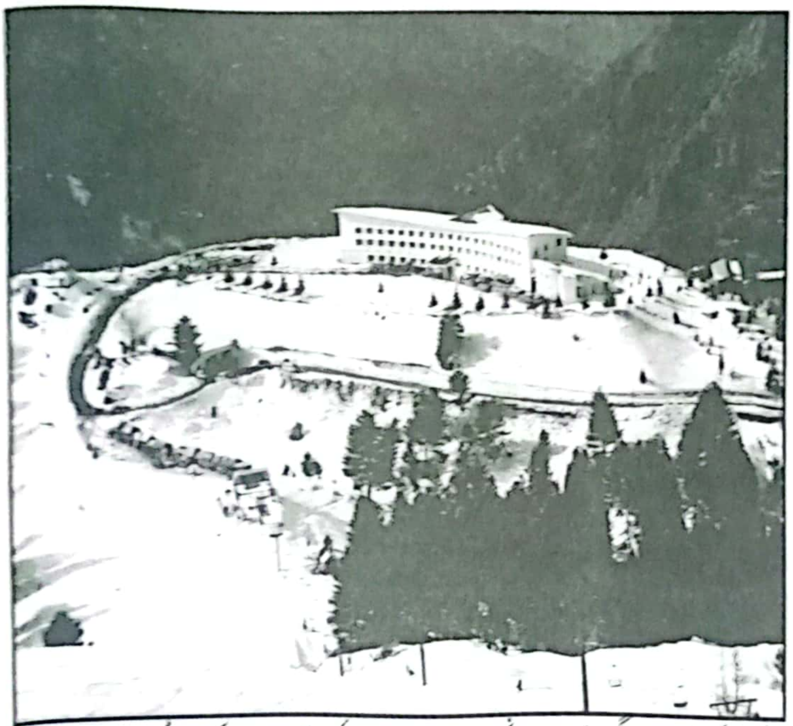

مینگورہ.................مالم جبہ

صبح نو بجے ہوٹل سے نکلے، بازار میں ناشتہ کیا۔ مینگورہ کے بازار میں ٹریفک کے ساتھ ساتھ دھواں اور شور بہت تھا۔ سوا دس بجے بذریعہ ویگن مالم جبہ کی طرف روانگی۔ ایک سو پانچ روپے دو طرفہ کرایا طے ہوا۔ مالم جبہ سطح سمندر سے نو ہزار پانچ سو فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ یہاں سردیوں میں 16 فٹ تک برف پڑتی ہے۔ شروع سفر میں ہمارے بائیں جانب دریائے سوات اور دائیں جانب پہاڑ۔ راستے میں جب ہم جہان آباد شکوڑئ موڑ سے گزرے تو ہماری دائیں جانب دُور ایک بڑی چٹان پر گوتم بدھ کا مجسمہ کندہ تھا۔ ویگن مسلسل اوپر چڑھ رہی تھی۔ اب بائیں جانب خشک ندی، خوفزدہ کر دینے والا سفر۔ یہ راستہ ایبوبؔ کے راستے جیسا تھا۔ بل کھاتی ہوئی مسلسل چڑھائی۔ کچھ دیر اُترائی میں سفر کیا مگر پھر چڑھائی کا سفر۔ ہم اتنی بلندی پہ محوِ سفر تھے کہ نیچے پہاڑ، چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں دکھائی دے رہے تھے۔ کچھ دیر اُترائی چڑھائی کا سلسلہ جاری رہا اور پھر مڑتی، بل کھاتی سانپ کی طرح چڑھائی، چڑھائی اور چڑھائی۔ ایک پہاڑ کی چوٹی کا اختتام ہوتا تو دوسرے پہاڑ کا سفر شروع ہو جاتا۔ یا الٰہی یہ ماجرہ کیا ہے۔ کیا ہم آسمان پر پہنچنے کے لئے محوِ سفر ہیں۔ راستے میں سعید آباد سے گزرے۔ ہوٹل پر تھوڑی دیر کے لئے رُکے۔ ایوب پہاڑی ہوٹل، اعجاز ہوٹل، بس چڑھتے جا رہے تھے۔ راستے میں آبادیاں بھی آئیں۔ سڑک کے قریب کھیت میں کسان بوریوں میں شلجم بھر رہے تھے۔ بحرحال ہم دھر کوچ دھر مجل پونے بارہ بجے مالم جبہ پہنچ گئے۔ شکر ہے بارہ نہیں بجنے پائے، ورنہ سردار کہلاتے۔ سامنے تاحدِ نظر عجب منظر تھا۔ نیچے دُور دُور تک پھیلے پہاڑی سلسلے۔ زمین سے دیکھنے والوں کے لئے ہم آسمان پر تھے لیکن ہمیں آسمان کی بلندی اور وسعت میں کمی کی بجائے اور زیادہ اضافہ ہی محسوس ہوا بندے کو شدت سے احساس ہوتا ہے کہ خدا جانے یہ کائنات کتنی وسیع ہے اور اس میں بندے

کی حیثیت ہی کیا ہے۔ انسان کو غرور کس بات پر ہے۔ نہ وہ پہاڑوں کی طرح مضبوط و سر بلند، نہ میدانوں اور ریگستانوں کی طرح وسیع و عریض، نہ سمندروں کی طرح اتھاہ گہرا اور نہ ہی آسمانوں کی طرح لامتناہی اونچا۔ اے اللہ تو ہی عظمتوں والا بزرگ و برتر ہے۔ ہم تیرے ناچیز بندے تجھ سے تیری رحمت کے طلبگار ہیں اور تیری دنیا دیکھنے کی خواہش بھی رکھتے ہیں۔ تو ہمیں شیطان مردود کے شر سے محفوظ رکھ۔ اس دعا کے بعد ہم نے دیکھا کہ اس بلندی پر (PTDC) پاکستان ٹورازم ڈویلپمنٹ کارپوریشن والوں نے ایک کشادہ پچاس کمروں پر مشتمل جدید سہولیات سے آراستہ خوبصورت ہوٹل تعمیر کر کے کمال کیا ہے۔ PTDC والوں کو داد دی جانی چاہئے مگر ہوٹل کا افتتاح نہ ہونے کی بنا پر اس میں چہل پہل نہ تھی۔ اس ہوٹل کے سامنے مزید اور اوپر آسمان سے قریب ہونے کے لئے ایک چیئر لفٹ بھی نصب تھی لیکن یہ بھی مبارک ہاتھوں سے افتتاح کی منتظر تھی۔ یہاں خنکی، خوبصورتی، دلکشی، ہریاول اور چیڑھ کے لمبے لمبے درختوں کے علاوہ طلسم ہو شربا کا ایک عجب حیران کن، سنسنی خیز منظر یہ تھا کہ ہم پہاڑوں کی بلند چھت پر کھڑے ہمارے چاروں طرف دُور دُور تک اونچے نیچے پہاڑی سلسلے۔ بلند و بالا پہاڑ چھوٹے چھوٹے نظر آئے۔ دُور کہیں بس یا ٹرک نظر آئے تو یوں لگے جیسے بچوں کے ننھے مُنے کھلونے۔ اس تصور سے جھر جھری آ جاتی۔ مالم جبہ میں برف باری کے موسم میں ہر شئے برف سے ڈھک جاتی ہے۔ چاروں طرف حدِ نگاہ تک پھیلی سفید دودھیا برف اور اس پر چمکتی دھوپ، دل والوں پر یہ رومانوی منظر قیامت ڈھاتا ہوگا اور برف پر اسکیٹنگ کرنے کا تو مزہ ہی نرالا ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ واقعی وادیٔ سوات پاکستان کا سوئیزرلینڈ ہے اور محترم مستنصر حسین تارڑ کے الفاظ ایک دفعہ پھر دہرائے دیتا ہوں کہ ''یہ وادی ہے جسے فقیر بھی دیکھتا ہے تو بادشاہ ہو جاتا ہے۔'' ہم حکومت سے اپیل کرتے ہیں کہ ان علاقوں میں سڑکوں کا جال بچھائے اور رہائش و دیگر سہولیات بہم پہنچائے تاکہ سیاحت کے ذریعے ڈھیروں زرمبادلہ کمایا جا سکے۔ ہم نے یہاں بھی فوٹوگرافی کی۔ مینگورہ سے مالم جبہ کا بیالیس کلومیٹر کا سفر، چڑھائی در چڑھائی چڑھتے ہوئے ہم نے تقریباً ایک گھنٹے یا ڈیڑھ گھنٹے میں طے کیا تھا۔ ہم نے یہاں تقریباً ایک گھنٹے قیام کیا۔ پونے ایک بجے واپسی کا سفر شروع ہوا اور انہیں مڑتی، بل کھاتی راہوں سے اُترتے حسین مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہوئے دو بجے مینگورہ پہنچ گئے۔ مالم جبہ کے راستے ایسے چکراتے، چڑھتے، اُترتے، بَل کھاتے تھے کہ ہم سب کا تھکن سے بُرا حال ہوا، ہمت جواب دے گئی۔ ہم نے ہوٹل میں آرام کیا اور صرف باہمت ارشد مرغزار کی سیر کے لئے اکیلا نکل کھڑا ہوا۔ واپس آ کر اس نے مرغزار کے حسن کی بڑی تعریف کی۔ مگر اب پچھتاوے کیا ہوت جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت والی مثال تھی۔ ہم ہوٹل میں آرام کرتے رہ گئے اور ارشد نے مرغزار کے حسن کے مزے لوٹ لئے۔ وقت کی کمی کی وجہ سے ہم مینگورہ سے قریب تر مقامات میونسپل پارک فضا گٹ، مرغزار اور سیدو شریف دیکھ نہ پائے لیکن ان مقامات سے متعلق اپنی کچھ معلومات آپ تک

پہنچائے دیتے ہیں۔

میونسپل پارک فضاگٹ

مینگورہ سے صرف دو کلومیٹر کے فاصلے پر پہاڑوں کے دامن اور دریائے سوات کے کنارے ایک منفرد پارک جو دریائے سوات کے تینوں جانب سے نکلی ہوئی ندیوں میں گھرا ہے اور اس کے درمیان ایک اونچی چٹان ہے جس پر چڑھ کر ارد گرد کے حسین مناظر سے لطف اندوز ہوا جا سکتا ہے۔

مرغزار

مینگورہ سے پندرہ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک تنگ مگر شاداب وادی، جہاں جا بجا ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے چشمے اور سبزہ زار اپنی جولانیاں دکھاتے ہیں۔ یہاں سے قریب دس ہزار فٹ بلند مشہور یالم پہاڑ ہے اور اس پہاڑ کے دوسری جانب پیدل بابا پیر کے مزار پر جایا جا سکتا ہے۔ مرغزار جو اسم باسمی مرغزار ہے میں ایک دیدہ زیب خوبصورت ہوٹل سفید محل کے نام سے مشہور ہے۔ جو کبھی سابق وادئ سوات کا گرمائی محل رہ چکا ہے۔

سیدوشریف

سیدوشریف سوات اور مالاکنڈ کا ڈویژنل ہیڈ کوارٹر ہے۔ یہاں سرکاری دفاتر کے علاوہ کالج، ہسپتال، پوسٹ آفس، جیل اور خوبصورت سیدو پارک ہے۔ سیدو پارک میں اخوند صاحب سیدو بابا کا قدیمی مزار مرجع خلائق ہے اور ایک منفرد فن تعمیر کا حسین شاہکار والئ سوات محمد عبدالخالق جہانزیب کا محل بھی ہے۔ علاوہ ازیں سیدوشریف کے قرب و جوار میں بدھ مت کے آثار قدیمہ کھنڈرات کی صورت میں موجود ہیں جو دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں نے ان مقامات کا ذکر اس لئے کیا ہے تاکہ وادئ سوات آنے والے ان مقامات کو ضرور دیکھیں۔ بہرحال چار بجے ارشد نے آنے کے بعد ہوٹل میں کھانا کھایا۔ میر کارواں شہزاد نے واپسی کا بگل بجایا۔ ہم نے سامان اُٹھایا اور انشاء جی اُٹھواب کوچ کرو گنگناتے ہوئے بس اڈے کی طرف کوچ کیا۔

مینگورہ..........پشاور..........بہاول پور

پونے پانچ بجے حسین وادئ سوات کی حسین یادیں دل میں بسائے مینگورہ سے پشاور کی طرف روانہ ہوئے۔ سڑک چوڑی ہموار، ڈرائیور ہوشیار۔ تیزی سے سفر طے ہونے لگا۔ ساڑھے پانچ بجے بٹ خیلہ پہنچ گئے۔ پھر مالاکنڈ سے گزر ہوا۔ اُترائی چڑھائی خطرناک تھی مگر اب ہماری پہلے والی کیفیت نہ تھی۔ خطرناک راستوں کا سفر طے کر چکنے کے بعد اب خوف دُور ہو چکا تھا۔ درگئی، سماکوٹ سے ہوتے ہوئے شیر گڑھ پہنچے۔ یہاں چیکنگ ہوئی۔ چھوٹا بازار، دو طرفہ دکانیں۔ پھر چلالہ سے گزرتے ہوئے پونے سات بجے تخت بھائی اور پنجاب رجمنل سنٹر سے ہوتے ہوئے سات بجے مردان پہنچ گئے۔ مردان بڑا شہر ہے۔ بڑے بڑے بازار، سڑک کشادہ و ہموار کہ اس پر ویگن تیرتی محسوس ہو رہی تھی۔ سوا سات بجے رسال پور کینٹ آ گیا۔ دو طرفہ سڑک کے درمیان خوبصورت پھلواری پہاڑ دکھلا رہی تھی۔ دریائے کابل پر سے گزرے اور پھر نوشہرہ پہنچ گئے۔ شام کے سائے پھیل رہے تھے مگر ہوا گرم تھی۔ ایک ضروری بات کہ ہم جیسے جیسے مینگورہ سے

پشاور کی طرف بڑھتے گئے، گرمی میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ پشاور پہنچ کر رات ہوٹل میں قیام کیا اور دوسرے دن یعنی 22 جولائی کو ہم صحرا نشیں اپنے نشیمن بہاول پور کے لئے بذریعہ ٹرین روانہ ہوئے اور یوں لوٹ کے بدھو گھر کو آئے۔ اتنا حسین سفر بھلائے نہیں بھولتا۔ ان حسین وادیوں کے خوبصورت مناظر ہماری آنکھوں کے سامنے یوں چلنے پھرنے لگتے ہیں جیسے پردۂ سکرین پر فلم اور پیارے پاکستان کی دلکش خواب دیدہ وادیٔ سوات دوبارہ دیکھنے کے لئے دل مچل مچل اُٹھتا ہے۔ میں پاکستانی بہن بھائیوں سے کہوں گا کہ وہ ہمت کرے رختِ سفر باندھیں، اللہ کی عظمتوں کا نظارہ کریں۔ قدیم تہذیبوں کی آماجگاہ وادیٔ سوات یعنی پاکستان کے سوئیزر لینڈ کے حسن سے اپنی آنکھیں خیرہ کریں۔ وادیٔ سوات گندھارا تہذیب کا مرکز بھی رہا ہے۔ اس تہذیب کو یہاں بہت عروج ملا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ یونانی، ایرانی اور ہندوستانی فن کندہ کاری، گل کاری، کشیدہ کاری کے آمیزہ سے گندھارا فن کندہ کاری، گل کاری، کشیدہ کاری کے آمیزہ سے گندھارا آرٹ نے بدھ مت کے بطن سے جنم لیا۔ گندھارا آرٹ میں نہ صرف گوتم بدھ کی ذات بلکہ اس وقت کی تہذیبی ثقافتی، سماجی زندگی کی بھی عکاسی کی گئی ہے۔ ایک مشہور چینی سیاح فاہیان 403ء میں یہاں آیا۔ اس نے یہاں بدھوں کی پانچ سو خانقاہوں کا ذکر کیا ہے۔ 519ء میں ایک اور چینی سیاح سنگ یون بھی سوات آیا اور اس نے بھی لکھا ہے کہ رات کو خانقاہوں میں اتنی زیادہ گھنٹیاں بجتی ہیں کہ فضا گونج اٹھتی ہے۔ ایک اور چینی سیاح بھی 630ء میں یہاں آیا اور یہیں کا ہو رہا۔ وہ 645ء تک تقریباً پندرہ سال یہیں رہا۔ اس نے سوات میں بدھ مت کی زوال پذیری کی تصویر کشی اس انداز میں کی ہے کہ یہاں دریائے سوات کے کنارے چودہ سو خانقاہیں برباد ہو چکی ہیں۔ وادیٔ سوات میں آثارِ قدیمہ بکھرے پڑے ہیں۔ یہاں سے ٹوٹے پھوٹے برتن، پرانے سکّے اور چھوٹے بڑے بُت اکثر ملتے رہتے ہیں۔ محکمہ آثارِ قدیمہ نے وادیٔ سوات کے مختلف مقامات سے برآمد ہونے والے آثار کو سوات میوزیم اور چکدرہ میوزیم میں محفوظ کر دیا ہے۔ دیکھنے والی آنکھ ان آثار کو دیکھتی رہ جاتی ہے۔ وادیٔ سوات میں 1530 ق م سے لے کر 430 ق م تک کے زمانے کے قبرستان بھی دریافت ہوئے ہیں۔ مقدس پودے ''سوما'' کی سرزمین وادیٔ سوات قدیم مذاہب، تہذیبوں اور ثقافتوں کی عطر بیزیوں کا گہوارہ رہی ہے۔ سورج کے دیوتاؤں کے پجاری اسے پیدا پانی کی سرزمین کہتے تھے۔ تاریخ وادیٔ سوات کی قدامت اور تہذیبی عظمت کی گواہ ہے۔ مہاتما بدھ نے سوات ہی کے جنگلات میں گیان دھیان اور نروان حاصل کیا اور ہندوؤں کے مشہور اوتار رام چندر جی اور ان کی بیوی سیتا نے بھی سوات ہی میں ایلم پہاڑ پر بن باس گزارا اور آریا بھی ڈھائی ہزار سال قبل مسیح برصغیر میں سوات ہی سے گزر کر داخل ہوئے۔ 326 قبل مسیح مقدونیہ کا سکندرِ اعظم افغانستان سے ہوتا ہوا باجوڑ کے راستے سے سوات پر حملہ آور ہوا۔ اس وقت یہاں کے لوگ بدھ مت کے پیروکار تھے۔ 304 قبل مسیح سکندرِ اعظم کے جرنیل نے یہ علاقہ

ہندوستان کے راجہ چندر گپت موریہ کے حوالے کر دیا۔ چندر گپت موریہ کے بدھ مت اختیار کرنے کے بعد سوات کو بڑا عروج ہوا۔ بدھ مت کے بعد یہاں ہندو شاہیہ کا دور بھی گزرا ہے لیکن حیرت کی بات ہے کہ یہاں ہندوؤں کی بود و باش کے آثار نہیں ملے۔ گیارہویں صدی ہجری میں سلطان محمود غزنوی کے جرنیل خوشحال کی افواج نے بدھوں کے طاقتور راجہ گیرا کو شکست دے کر یہاں اسلام کی شمع روشن کی اس مرد شہید کا مزار آج بھی گیرا پہاڑ کے دامن میں مرجع خلائق ہے۔ ذرا باطنی آنکھوں سے زمانہ قدیم کے سوات کا مشاہدہ کریں تو دریائے سوات کے کنارے خانقاہوں میں گھنٹی بجاتے بدھ بھکشو مٹے ناموں کے نشاں کیسے کیسے اور پھر مسجدوں کے میناروں سے خوش الحان موذنوں کی اللہ اکبر کی گونجتی آواز۔ فقط رہے نام اللہ کا۔ راجہ گیرا کی شکست کے بعد سوات پر 402 ھ سے 906 ھ تک پشتون دلہ زاک اور سواتی پشتون حکمرانوں کا عروج رہا۔ ان کے زوال کے بعد سوات پر افغانستان سے آنے والے یوسف زئی پشتونوں کی حکمرانی قائم ہوئی۔ 1519ء میں کابل کے تخت پر قابض ہونے کے بعد ظہیر الدین بابر ہندوستان پر حملہ کرنے سے قبل سوات کے حکمران یوسف زئی قبیلہ کو مطیع کرنے کی غرض سے باجوڑ کے راستے سوات میں داخل ہوا۔ لیکن انہیں زیر کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ مغل اعظم جلال الدین اکبر کی افواج بھی دو مرتبہ سوات پر حملہ آور ہوئیں مگر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ مغلیہ دور کے بعد درانیوں میں سے بھی کسی نے سوات کو باقاعدہ حکومت کے تحت لانے کی کوشش نہیں کی۔ 1749ء میں جب افغانستان کا بادشاہ احمد شاہ درانی پنجاب فتح کرنے کی غرض سے جا رہا تھا تو سوات کے قبیلوں نے اپنی مرضی سے احمد شاہ درانی کی بیعت کی اور جنگ میدان کے ساتھ شامل ہوئے۔ 1823ء میں درانی گورنر کشمیر سردار عظیم خان نے سکھوں پر حملہ کیا تو بھی قبیلہ یوسف زئی کے لشکر نے ان کا ساتھ دیا۔ درانیوں کے زوال کے بعد یوسف زئی قوم کے لشکر نے سکھوں کے خلاف سید احمد بریلوی کا ساتھ دیا لیکن مذہبی عقائد سے اختلاف کی وجہ سے سوات کے قبائل نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی اور اس کے بعد سوات پر اخوند صاحب کا تسلط قائم ہو گیا۔ ان کا اصل نام عبدالغفور تھا۔ حضرت اخوند صاحب نہ صرف خدا رسیدہ انسان تھے بلکہ ایک بلند پایہ مدبر، عظیم المرتبت قائد اور سرفروش مجاہد بھی تھے۔ 1850ء میں اخوند صاحب نے ستانہ کے رئیس سید اکبر شاہ کو سوات کا بادشاہ بنا دیا۔ اور اسی سال انہوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا آغاز کیا۔ 1857ء میں بادشاہِ سوات سید اکبر شاہ اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ انگریز سر ہربرٹ ایڈورڈ نے ان کی ناگہانی وفات کے نتائج کے متعلق کہا تھا کہ "اگر سوات کی شرعی حکومت قائم رہتی اور مجاہدین قبائل کا سردار سید اکبر شاہ زندہ ہوتا تو 1857ء کی جنگ آزادی کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا۔" [illegible] اور مجاہدانہ بات آپ کے قول کو [illegible] قیام پاکستان کے بعد جنگ کشمیر میں سواتی مجاہدین نے بھی اپنے سرحدی بھائیوں کے ساتھ حصہ لیا۔ خود حاکم سوات نے ایک موقع پر کہا۔ "پاکستان کی سلامتی ہماری سلامتی ہے۔ پاکستان کا استحکام ہمارا استحکام ہے۔ پاکستان سب سے بڑی اسلامی سلطنت ہے کہ ملتِ اسلامیہ کی حیات ثانیہ کے سلسلے میں پاکستان اہم کردار ادا کرے گا۔" سوات 1969ء میں سوات مملکت پاکستان میں ضم ہوا۔ میں حکومت پاکستان سے ایک مرتبہ پھر گزارش کروں گا کہ وہ اس سرزمین گلستان کی جنت کی طرح خوبصورت وادیوں تک کشادہ ہموار سڑکوں اور رہائشی و دیگر سہولیات کا جال بچھا کر سیاحوں کے لئے آسانیاں فراہم کرے۔ اب آخر میں اپنے ان خوبصورت الفاظ پر سفر نامہ کا اختتام کرتا ہوں کہ پرچم پاکستان سے مشابہ سبز جنگل اور سفید برفیلی وادیاں پیارے پاکستان کا حسین قیمتی سرمایہ ہیں۔

1850ء میں اخوند صاحب نے ستانہ کے رئیس سید اکبر شاہ کو سوات کا بادشاہ بنا دیا۔ اور اسی سال انہوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا آغاز کیا۔ 1857ء میں بادشاہِ سوات سید اکبر شاہ اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے

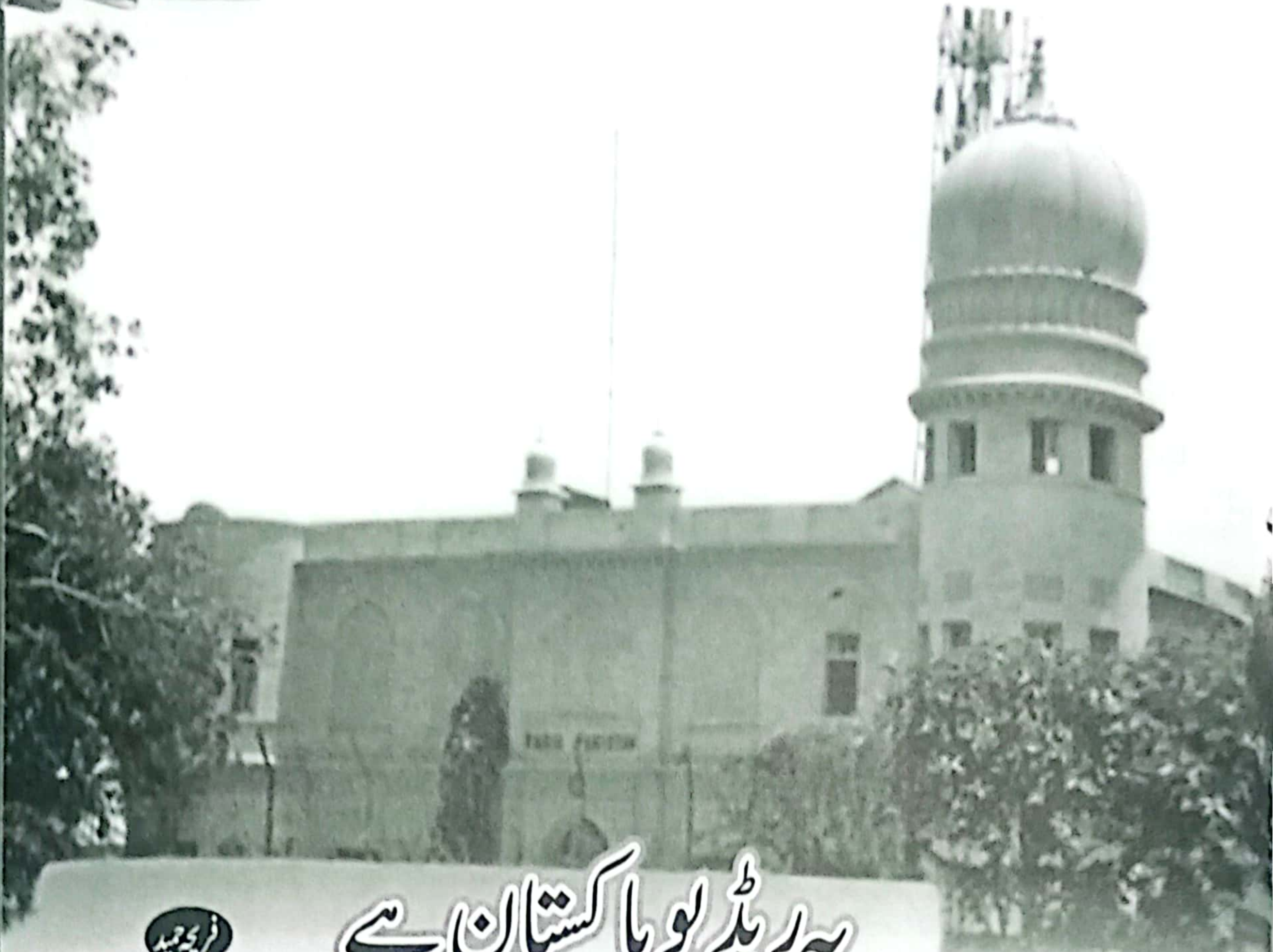

یہ ریڈیو پاکستان ہے

فریحہ حمید

ایک معتبر ادارہ جس کی کوکھ سے کئی اداروں نے جنم لیا صوت و آہنگ کی کئی نامور ہستیاں اس کی پہچان تھیں۔ ہوا کے دوش پر سماعتوں میں رس گھولتی اور سحر طاری کر دینے والی آوازیں ہمیشہ پُرکشش ہوتی ہیں۔ ریڈیو پاکستان نے اپنے علاقائی اور عالمی سروس کی نشریاتی پروگراموں میں ایسی ہی آوازوں کی حامل شخصیات سے استفادہ کیا، نامساعد حالات اور وسائل کی کمی کے باوجود ریڈیو پاکستان نے اپنی ترقی کا سفر جاری رکھا، اس ادارے کے قیام، نشریات اور اس کی انفرادیت برقرار رکھنے کے لیے اہم شخصیات، ماہرین اور وابستہ تیکنیکی عملے نے اپنی نیندوں کو اپنی پلکوں پر سجائے رکھا، اس کا اندازہ اس امر سے بھی بہ خوبی لگایا جاسکتا ہے کہ تقسیم ہند کے وقت عروس البلاد، روشنیوں کا شہر کراچی نشرگاہ سے محروم تھا۔ جب کہ اس وقت صرف تین میڈیم ویو ریڈیو اسٹیشن تھے جو لاہور، پشاور اور ڈھاکا میں قائم تھے، اور ہندوستان سے قیام پاکستان کے وقت ملے تھے۔ مگر ورثے میں ملنے والے یہ ریڈیو اسٹیشن بیرون ممالک نشریاتی ضرورتیں پوری کرنا تو درکنار ملکی ضرورت بھی پوری کرنے کے قابل نہیں تھے۔ واضح رہے کہ میڈیم ویو ریڈیو اسٹیشن کی نشریات کو رواں رکھنے کے لیے 20 انجینئروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس تناسب سے مذکورہ تینوں ریڈیو اسٹیشنوں کے لیے 60 انجینئرز درکار تھے۔ لیکن مجموعی طور پر محض 17 انجینئر تھے کہ جن کے کاندھوں پر ان اسٹیشنوں کی ذمے داریاں تھیں۔ چناں چہ بے سروسامان، عملے اور وسائل کی کمی کے باوجود 13 اور 14 اگست کی درمیانی شب ٹھیک بارہ بجے ریڈیو سے ایک بارعب اور خوشی سے لبریز ایک آواز گونجی: ''یہ ریڈیو پاکستان ہے'' گویا اس آواز نے جہاں پاکستان کے قیام کا اعلان کیا، وہاں

ریڈیو پاکستان کی نشریات کا بھی آغاز تھا۔ ہر طرف، مبارک، سلامت کا شور اور زندہ باد پاکستان کے نعرے بلند ہورہے تھے۔ صبح کا سورج طلوع ہوا، یہ 15 اگست 1947ء کا دن ہے۔ سامعین کی توقعات پر پورا اُترنے کے لیے دوسرے دن ہی سے ریڈیو پاکستان کی انتظامیہ نے اس کی توسیع کی تجویزوں پر غور وخوض شروع کر دیا تھا، مگر اس میں اہم ترین امر یہ تھا کہ ملکی وغیر ملکی نشریاتی ضرورتوں میں ترجیح کسے دی جائے؟ اس سوال کا جواب نہیں مل رہا تھا اور وقت لمحہ، لمحہ گزر رہا تھا۔ خواب وخیال، اندیشوں اور خدشات میں تبدیل ہورہے تھے۔ اسی کٹھن وقت میں ایک تجویز پر معروف براڈ کاسٹر ذوالفقار علی بخاری (زیڈ اے بخاری) کو ادارے کی سربراہی سونپی گئی۔ اس کی والہانہ قیادت میں لوگ آگے بڑھے اور ترجیحی بنیادوں پر کراچی میں ایک نئے ریڈیو اسٹیشن کے قیام کے منصوبے پر عمل درآمد شروع ہوگیا۔ اس وقت کراچی، پاکستان کا دارالحکومت تھا، اس ریڈیو اسٹیشن کے قیام میں اس بات کا خصوصی طور پر خیال رکھا گیا کہ ریڈیو پاکستان کراچی کی نشریات پاکستان کے طول و عرض میں بآسانی سنائی دیں۔ اس مقصد کے لیے ہائی پاور ٹرانسمیٹر کی تنصیب کا کام ریڈیو پاکستان کے ڈائریکٹر آف انجینئر ریاض احمد کو سونپا گیا اور سامان کی خریداری کے لیے انہیں برطانیہ اور پھر امریکا روانہ کیا۔ توقع تھی کہ مذکورہ سامان کے پہنچتے ہی اسٹوڈیو بھی کام شروع کر دے گا۔ مگر عمارت کے لیے موزوں زمین کے حصول ہی میں 13 ماہ بیت گئے اس مقصد کے لیے 36 سے زیادہ مختلف مقامات کا معائنہ کیا گیا۔ مگر اس دوران ڈھاکا میں شارٹ ویوٹرانسمیٹر نصب کرنے کے کاموں کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس لیے 16 جنوری 1949ء کو ریڈیو پاکستان کا پہلا شارٹ ویوٹرانسمیٹر ڈھاکا میں نصب ہوگیا، چنانچہ کراچی کی طرف حکومت کی توجہ منقطع ہوگئی۔ بالآخر شب وروز کی تگ ودوگ کے بعد کراچی کی آبادی سے 13 میل دور لانڈھی میں قومی شاہراہ پر ریڈیو پاکستان کراچی کی عمارت کے لیے جگہ کا انتخاب کرلیا گیا۔ یہ فوجی انٹیلی جنس اسکول کی بیرک نمبر 4 تھی۔ جب کہ بعد میں مولوی تمیزالدین روڈ پر بھی ایک چھوٹی سی بیرک میں جو انٹیلی جنس اسکول میں قائم تھی، نشریات کا انتظام کیا گیا تاکہ اناؤنسر اور صداکاروں کو سہولت ہوسکے۔ یہ غیر مستقل عمارت تھی۔ پاکستان براڈکاسٹنگ کارپوریشن شعبہ مطبوعات کی سابق ایڈیٹر اور معروف پروڈیوسر شگفتہ آفتاب نے بتایا کہ "ریڈیو پاکستان کراچی شہر سے دور ہونے کی بنا پر دن میں بھی لوگ یہاں آتے ہوئے خوف زدہ ہوتے تھے۔ مگر ایک سوبیس مربع ایکڑ" رقبے پر مشتمل اس ریڈیو اسٹیشن کے گردونواح میں بہت سی بستیاں آباد ہونے لگیں۔ ریڈیو پاکستان کے عملے نے آٹھ، دس دن میں یہاں ایک چھوٹا سا میڈیم ویو اور ایک شارٹ ویوٹرانسمیٹر لگا کر اپنی نشریات کا آغاز کیا۔ اور عملے کے بیٹھنے کے لیے خیمے نصب کئے گئے۔ جب کہ تین کمروں میں اسٹوڈیو، کنٹرول روم، ٹرانسمیٹر سبھی کچھ تھا۔ جس کے محدود وسائل، پروگرام کے باوجود ادب، فن و ثقافت اور شعور کو فروغ کے لے یہ سنگ میل ثابت ہوا۔" خواجہ شہاب الدین اس معاملے میں خصوصی دل چسپی لے رہے تھے۔ انہوں نے

کراچی ڈسٹرکٹ لوکل بورڈ کی نشان دہی پر ایم اے جناح روڈ پر واقع ایک خوب صورت عمارت کا دورہ کیا اور حکومت کو عمارت کی موزونیت سے آگاہ کر دیا۔ جب کہ بعد میں یہ طے پایا کہ مذکورہ عمارت توسیع و ترمیم کے بعد براڈ کاسٹنگ ہاؤس کراچی کے حوالے کر دی جائے۔ پھر ایسا ہی ہوا، پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان نے ریڈیو کی افتتاحی تقریب میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "جب میں پہلی مرتبہ ریڈیو پاکستان کے اسٹوڈیوز، واقع انٹیلی جنس اسکول میں گیا تھا تو وہاں مجھے ریت میں اٹے چہرے اور متعدد خیمے نظر آئے، مجھے مسرت ہے کہ ریڈیو پاکستان کراچی کی اس عمارت کا سنگ بنیاد سیدھا رکھا گیا اور اس پر ریڈیو پاکستان کی روایات کی عمارت تعمیر ہو رہی ہے۔" ریڈیو پاکستان کراچی کی نشریات کیا شروع ہوئیں گویا مختلف شعبہ ہائے فن سے تعلق رکھنے والی شخصیات نوجوان و خواتین، محنت کش سب ہی ہر روز کثیر تعداد میں یہاں آتے تھے۔ سجاد سرور مذکورہ اسٹیشن کے پہلے ڈائریکٹر تعینات ہوئے ریڈیو کے معروف براڈ کاسٹر ظفر حسین، حمید نسیم پروگرام ایگزیکٹو تھے۔ صداکاروں میں ظفر صدیقی، ایس ایم سلیم، مغل بشیر، نصیر الدین، عبدالرحمٰن کابلی، امیر خان، فاطمہ خانم، حسینہ معین، خدیجہ نقوی، شائستہ بیگم، وراثت مرزا، ساجد صدیقی اور عبدالقیوم شامل تھے۔ جن صاحبان عقل و دانش کا ریڈیو پاکستان کراچی کو تعاون رہا ان میں اختر حسین رائے پوری، بابائے اردو مولوی عبدالحق، پروفیسر حسن عسکری، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ، بہزاد لکھنوی شامل تھے۔ ڈراما نگاروں میں سلیم احمد، انتظار حسین، ریاض فرشوری، سید احمد رفعت، سلیمانی الارشد، شمع پرویز، اشفاق احمد، بانو قدسیہ، نصر اللہ خان، عمر مہاجر اور زیڈ اے بخاری جب کہ ڈرامے کے شعبے میں جن پروڈیوسروں نے اپنی مہارت منوائی ان میں شمس الدین بٹ، آغا ناصر، رفیع پیرزادہ، فضل کمال، رضی اختر شوق، فاروق جہاں تیموری و دیگر شامل تھے، براہِ راست یادگار ڈراموں میں انارکلی، رستم و سہراب، قرطبہ کا قاضی اور الو کی زبان کو خاص شہرت حاصل ہوئی۔ ریڈیو سے ابتدائی دنوں میں ہجرت کر کے آنے والوں کے عزیز و اقارب کی تلاش کے لیے "پیغامات" کے عنوان سے ایک پروگرام شروع کیا گیا جس کے ذریعے ہزاروں بچھڑے ہوئے افراد و خاندان آپس میں دوبارہ مل گئے، یہ پروگرام بہت مقبول ہوا۔ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے رحلت پر جنازے کی روداد سامعین تک پہنچانے کے لیے رواں تبصرہ نشر کیا گیا۔ اور اس مقصد کے لیے تین مختلف مقامات پر مبصرین تعینات کیے گئے۔ ان میں آغا اشرف، صدیق احمد صدیقی اور مدفن کے قریب ذوالفقار علی بخاری اور حمید نسیم تھے۔ ایم اے جناح روڈ پر واقع ماہر سنگ تراش محمد ہاشم گزدر کی 25 ہزار میں تیار ہونے والی اس محرابی عمارت کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ یہاں قومی ترانے کی دھن غلام علی چھاگلہ نے مرتب کی۔ بعدازاں اس دھن میں سخت مقابلے کے بعد ابوالاثر حفیظ جالندھری کا لکھا ہوا نغمہ قومی ترانے کے طور پر منتخب ہوا۔ پاکستان کے قومی ترانے کی پہلی ریکارڈنگ کراچی اسٹیشن کے اسٹوڈیوز ہی میں کی گئی تھی۔ ریڈیو پاکستان کراچی ہی سے تعلیم کے فروغ کے لیے 19 جنوری 1954 سے پروگرام "ریڈیو اسکول" کا بھی آغاز کیا گیا اور بتدریج احسن بچوں، نوجوانوں، طالب علموں خواتین کے ساتھ، ساتھ موسیقی، ادب و سیاست، مذہبی اور زراعت کے پروگرام بھی شروع کئے گئے۔ 1965 اور 1971 کی جنگ میں گونجنے والے ترانے سامعین کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ اس کے علاوہ قدرتی آفات اور سیلاب کی تباہ کاریوں کے دوران ریڈیو پاکستان کراچی نے اپنا منفرد کردار ادا کیا، یہ ہی وجہ ہے کہ آج عالمی سروس کی مجموعی نشریات 10 گھنٹے پر محیط ہیں۔ روزانہ شعبہ خبر 136 گھنٹے نیوز بلیٹن تیار اور نشر کرتا ہے۔ جنرل نیوز روم میں 22 قومی بلیٹن ہوتے ہیں جن میں 79 مقامی، 119 ایکسٹرنل سروس، 12 گھنٹے کاروباری و موسم، ایک ضلعی بلیٹن اور 3 تبصرے تیار اور نشر ہوتے ہیں۔ عالمی سروس کے دورانیے میں شرق وسطیٰ اور یورپ کے ممالک تک اس کی نشریات کا دائرہ وسیع ہے۔ جس میں ریڈیو پاکستان کراچی

بھی اہم ذمے داریاں ادا کرتا رہا ہے۔ ریڈیو پاکستان کراچی کی اس قدیم عمارت سے ملحقہ ریڈیو کے متعلقہ افراد کے لیے ایک کینٹین قائم تھی۔ جہاں دن بھر چائے کی پیالیوں پر محفلیں جمتی تھیں۔ ان کرسیوں پر وہ بھی براجمان رہتے جو کسی معتبر حوالے یا سفارش لے کر یہاں آتے شام ڈھلے تک یہیں موجود ہوتے کہ شاید کسی افسر یا پروڈیوسر کی نگاہ ان پر پڑ جائے اور ان کی قسمت کا ستارا چمک جائے۔ ان میں متعدد افراد ایسے ہوتے جو معاوضہ ملنے کی آس میں ادھار میں کھانا کھاتے تھے، اور جب تک پیسے نہ ہوتے تو جلا ہوا کباب بھی انہیں مزے دار لگتا تھا، ادھار کے مطالبے پر یہ افراد کینٹین کے ذمے داروں کے خلاف تحریری شکایات کرتے۔ غم وخوشی، امکان، خدشات، امیدوں یا پھر کوئی نئی دھن یا ڈرامائی مکالمے کی اچھائیوں یا خامیوں پر گھنٹوں بحث مباحثہ رہتا تھا۔ نوبت تلخ کلامی تک پہنچ جاتی تو بھی اخلاقیات کو ملحوظ خاطر رکھا جاتا تھا۔ اپنائیت وخلوص کا یہ عالم تھا کہ اسٹیشن کے بائیں جانب احاطے میں لگا ہو برگد کا درخت جواب بوڑھا ہوگیا ہے، آج بھی ہر آنے والے مہمان کو خوش آمدید کہتا ہے۔ اسی درخت کے نیچے احتجاج، ترقی، تنزلی، تعزیت، اور اموات پر سب ہی ملازمین جمع ہو جاتے تھے۔ یہ برگد کا درخت نہ جانے کب اور کس نے یہاں لگایا، لیکن اب بھی جب کہ یہ ریڈیو اسٹیشن اندرونی طور پر کھنڈر بن چکا ہے، معمولی اسکیل کے ملازمین کے علاوہ بوڑھے سازندے، اور فن کار گھنٹوں اس سائے تلے بیٹھ رہتے ہیں اور اپنے شان دار ماضی کے قصے آپس میں سنا کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اس درخت نے غیر معروف گلوکاروں، صداکاروں، اناؤنسروں کو بھی ملکی و بین الاقوامی سطح پر شہریوں کی بلندیوں کو چھوتے دیکھا ہے۔ گرمیوں کی تپتی دوپہر اور سردیوں کی خنک ہواؤں میں اسی درخت کے نیچے موسیقاروں نے ایسی بے مثل دھنیں ترتیب دیں کہ جس نے بھی سنی وہ داد دیے بغیر نہیں رہ سکا۔ انگریز دور کی بنی بیرکوں کو جانے والی راہداری سینٹرل پروڈکشن کے دروازے اور ریڈیو پاکستان کراچی کی قدیم عمارت کے دائیں جانب باوقار انداز میں کھڑا یہ درخت پاکستان کی نشریاتی تاریخ کا ایک حصہ ہے۔ جس سے انوکھی، ان ہونی اور دل چسپ یادیں وابستہ ہیں۔ یہی یادیں دم توڑتے فن کاروں کا سرمایہ افتخار ہیں۔

پھر ہوا یوں کہ ریڈیو پاکستان کراچی کی عمارت میں عین اس وقت آگ لگ گئی کہ جب بچوں کے لیے براہ راست پروگرام "بچوں کی دنیا" نشر کیا جا رہا تھا۔ ڈیوٹی پر موجود عملے نے فوری طور پر بچوں کو باہر نکالا، بعدازاں فائر بریگیڈ کے عملے نے ڈیڑھ گھنٹے کی جدوجہد کے بعد آگ پر قابو پالیا۔ شدید آتش زدگی کے سبب ریڈیو کی پہلی منزل پر قائم اسٹوڈیو، ماسٹر کنٹرول روم اور ان میں موجود تمام آلات تباہ ہو گئے۔ جب کہ ریڈیو پاکستان کی معمول کی نشریات محض 30 سیکنڈ کے لیے تعطل کے بعد ہائی پاور ٹرانسمیٹر اور پھر سینٹرل پروڈکشن یونٹ کراچی کے اسٹوڈیوز سے بحال کر دی گئی۔ 1948ء میں پاکستان براڈ کاسٹنگ کارپوریشن شعبہ مطبوعات کا رسالہ ماہ نامہ "آہنگ" معروف شاعر محشر بدایونی کی زیر ادارت شائع ہوا۔ زیڈ اے بخاری، اقبال

فریدی، قمر علی عباسی، سید سبطین جعفری جیسی شخصیات نے اس شمارے کو خاص شمارہ بنایا جس میں پاکستان کے اسلاف کے کارناموں، دینی و عام معلومات کے علاوہ مختلف اسٹیشنوں سے ارسال کردہ خصوصی مضامین شامل اشاعت ہوتے تھے۔ ریڈیو پاکستان کراچی کی قدیم عمارت سے متصل گلی اب بھی ادبی و ثقافتی حلقوں میں ''فن کار گلی'' کے نام سے معروف ہے۔ ماضی میں یہ گلی فن کاروں، صداکاروں، پروڈیوسروں، شاعروں، ادیبوں اور گلوکاروں کی سب سے بڑی آماج گاہ تھی۔ جب ریڈیو پاکستان کراچی کی یہ عمارت اپنے جوبن پر تھی۔ اس وقت علی الصباح سے رات گئے تک یہاں ایک ریسٹورنٹ کا مالک فن کار دوستی کا ثبوت دیتے ہوئے ان فن کاروں کو اس وقت بھی ادھار میں چائے اور کھانے دیا کرتا تھا کہ جب ریڈیو کی کینٹین کا مالک ادھار بند کردیا کرتا تھا۔ اس گلی میں ریڈیو سے وابستہ افراد سے ملنے اور ان کی ایک جھلک دیکھنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ جس کے سبب یہاں گہما گہمی رہتی تھی۔ مقامی و بیرونی شہر کے افراد و آرگنائزر اپنی محفلوں و تقریبات کی رنگینی کے لیے اس گلی میں فن کاروں سے رابطہ کرتے تھے۔ مگر ریڈیو پاکستان کراچی کی اس قدیم عمارت میں آتش زدگی اسے دوسری جگہ منتقل کیے جانے اور کراچی کے ناگفتہ بہ حالات کے سبب یہ گلی آہستہ آہستہ دم توڑتی رہی اور اس کے تابوت میں آخری کیل یہاں کھل جانے والی خراد مشینوں، آٹوز اور ویلڈنگ کی دکانوں نے ٹھونک دی۔ آواز خزانہ ریڈیو پاکستان کا ادارہ سینٹرل پروڈکشنز ڈائریکٹوریٹ آف ٹرانسکرپشن سروس کے نام سے 1961ء کے دوران کراچی میں قائم ہوا۔ ابتدا میں اسے موسیقی کے پروگرام ریکارڈ کرنے کا کام سپرد ہوا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی بیرونِ ملک، پاکستان اور اس کی ثقافت روشناس کرانے کے لیے خصوصی فیچر اور غذاؤں پر مبنی پروگرام تیار کرنے کی ذمے داری بھی سونپی گئی۔ آغاز میں یکے بعد دیگرے اے این کلیم اللہ اور ظلِ الرحمٰن، ایس ایم طاہر اس کے سربراہ مقرر ہوئے۔ بعدازاں ایک خاص منصوبے کے تحت قدیم تھیٹر کی موسیقی متعارف کرائی گئی۔ اس طرح 5 سو سے زائد قدیم تھیٹر کے نغمے اور ساز نے ٹیپ لائبریری میں محفوظ کرلیے گیے۔ سیاسی، سماجی، ثقافتی اور ادبی شخصیات کے انٹرویوز ریکارڈ ہوئے جن میں بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح کی آواز و تقاریر قابل ذکر ہے۔ 1973ء میں اس ادارے کا نام تبدیل ہوکر سینٹرل پروڈکشنز رکھا گیا اور اس کا صدر دفتر راول پنڈی / اسلام آباد اور دو ذیلی دفتر کراچی و لاہور میں قائم ہوئے۔ کراچی اور لاہور یونٹ میں موسیقی کے پروگرام، تہواروں اور برسیوں پر خصوصی پروگرام کی ریکارڈنگ کرتے ہیں۔ جسے بعدازاں صدر دفتر کی لائبریری میں محفوظ کرلیا جاتا ہے، اس وقت سینٹرل پروڈکشنز کی نیشنل ساؤنڈ لائبریری میں 22314 ٹیپ اسپول محفوظ ہیں، جن کا کل دورانیہ تقریباً 6 لاکھ 20 ہزار منٹ پر مشتمل ہے۔ بلاشبہ یہ ملک کا سب سے بڑا آوازوں کا خزانہ ہے۔ لیکن کراچی کی عمارت میں لگنے والی آگ سے اس خزانے کا بڑا حصہ تباہ ہوگیا یا بد احتیاطی کے سبب فائر بریگیڈ کی کارروائی میں پانی میں بھیگ کر خراب ہوگئیں۔ ریڈیو پاکستان، ایک ایسا ادارہ ہے، جس کی کوکھ سے کئی اداروں نے جنم لیا۔ جن میں نہ صرف ایف ایم ریڈیو اسٹیشنز بلکہ ٹیلی ویژن چینلز بھی شامل ہیں۔ ریڈیو پاکستان کا مرکزی دفتر سب سے پہلے کراچی میں قائم ہوا تھا کیوں کہ آزادی کے بعد کراچی دارالحکومت تھا۔ ریڈیو پاکستان ایک نرسری تھی جس نے صوت و آہنگ کے کئی ستاروں کی نشوونما کی، جو رفتہ رفتہ درخشندہ ستاروں کی ایک ایسی کہکشاں بن گئے جن کی چمک دمک سے آنے والی نسلوں نے استفادہ کیا اور پھر جب پاکستان میں ٹیلی ویژن کا باقاعدہ آغاز ہوا تو اس کی بنیادیں رکھنے اور ان پر ایک شان دار عمارت تعمیر کرنے والوں میں ریڈیو کے انہی ستاروں نے اسے اپنی روشنی سے منور کردیا۔ بلکہ نجی ٹی وی چینلز آنے کے بعد جب الیکٹرانک میڈیا بھرپور کردار ادا کررہا ہے اُس کے پیچھے بھی ریڈیو کے ہنرمند، قابل اور ماہر لوگوں کا ہاتھ نظر آتا ہے۔

جنرل پوسٹ آفس لاہور

شیخ نوید اسلم

محکمہ ڈاک پاکستان کے بڑے محکموں میں سے ایک ہے جہاں روزانہ کے معمولات سے آج بھی قدیم دور کی یاد تازہ ہو جاتی ہے ٹیلی فون، کمپیوٹر، ای میل اور موبائل فون کے آنے سے قبل پیغامات کا واحد طریقہ خط و کتابت ہی تھا۔ جونہی ڈاکیا گاؤں میں آتا تو لوگ اُس کی طرف لپکتے اور پوچھتے کہ اُن کے پیاروں کی طرف سے ان کا کوئی خط آیا ہے۔ دور حاضر میں کمپیوٹر اور ای میل کی وجہ سے خط و کتابت کا رواج کافی حد تک کم ہوگیا ہے لیکن ان ذرائع کے باوجود بھی ڈاک خانے اُسی رفتار سے کام کررہے ہیں جس رفتار سے ماضی میں کام کررہے تھے۔

جنرل پوسٹ آفس لاہور، پاکستان کا سب سے بڑا اور قدیم ڈاک خانہ ہے 1887ء میں ملکہ وکٹوریہ کے تخت نشین ہونے کی گولڈن جوبلی کے موقع پر وائی ایم سی اے کی عمارت اور جنرل پوسٹ آفس کا سنگِ بنیاد رکھا گیا اس سے قبل ٹیلی گراف آفس انارکلی بازار میں قائم تھا۔ جنرل پوسٹ آفس کی موجودہ شکل اس وقت سامنے آئی جب اس عمارت کو پوسٹ آفس میں تبدیل کر دیا گیا۔ جنرل پوسٹ آفس کا افتتاح پورے ہندوستان میں کلاک ٹاورز اور یادگار عمارتوں کے ساتھ ایک ہی موقع پر ہوا یہاں آویزاں کی گئی تاریخی گھنٹی کو ٹیلی گراف آفس سے اُتار کر لگایا گیا ہے پرانی عمارت کا تسلسل برقرار رہے۔

جنرل پوسٹ آفس مال روڈ کے سنگم پر واقع ہے 1916ء کے لاہور گزٹیئر کے مطابق یہ لاہور کی ایک خوبصورت ترین عمارت ہے اس عمارت میں ایک گھنٹہ گھر اور چار مینار ہیں۔ اس کا کل رقبہ 14.425 ایکڑ ہے۔ 1904ء میں اس عمارت کو محکمہ ڈاک کے حوالے کردیا گیا اور اس سال اس عمارت نے کام کرنا شروع کردیا۔ لاہور شہر میں گنگارام ہسپتال کے سامنے فٹ پاتھ پر لگا قدیم لیٹر بکس آج بھی اُس عہد کی یاد تازہ کرتا ہے۔

1904ء میں لاہور کی ہر گلی میں ایسے لیٹر بکس موجود تھے جن پر ملکہ وکٹوریہ کی تصویر کندہ کی گئی تھی

اس زمانے میں ان کی تعداد 132 تھی یہ دُور دراز کے علاقوں میں نصب کیے گئے تھے۔ لیٹر بکس سے ڈاک اکٹھی کرنے کے لئے محکمہ ڈاک کا اہلکار یا ڈاکیا سائیکلوں پر سوار ہو کر جاتا چیئرنگ کراس، لاہور کینٹ اور مغل پورہ کے ڈاک خانے لاہور کے مشہور ڈاک خانے تھے جہاں بہت زیادہ ڈاک اکٹھی ہوتی تھی۔ ریلوے سٹیشن سے ڈاک گھوڑا گاڑیوں کے ذریعے اکٹھی کی جاتی تھی جس کے بعد ڈاکیے انہیں مطلوبہ مقام پر پہنچا دیتے ہر ہفتے جنرل پوسٹ آفس کی عمارت پر دو جھنڈے لہرائے جاتے تھے سُرخ جھنڈا اس بات کا اشارہ ہوتا تھا کہ بیرون ملک سے خطوط ممبئی پہنچ چکے ہیں اور جلد ہی ان کی آمد لاہور متوقع ہے جبکہ سفید جھنڈا اس روز لہرایا جاتا تھا جس روز لاہور سے دوسرے ممالک کے لیے ڈاک کی ترسیل کی جاتی تھی یہاں یہ ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ 1876ء تک فیروز پور، بہاول پور، سیالکوٹ، جہلم، راول پنڈی اور پشاور سے آنے والی ڈاک جنرل پوسٹ آفس کی پرانی عمارت میں ہی وصول کی جاتی تھی۔

جنرل پوسٹ آفس کی عمارت دو بڑے ہالوں پر مشتمل ہے ایک ہال میں اندرونِ ملک ڈاک وصول کی جاتی ہے جبکہ دوسرے ہال میں بیرون ملک بھیجنے والی ڈاک وصول کی جاتی ہے۔ یادگاری ٹکٹیں، ثقافتی ورثہ اور جنگلی حیات کی تصاویر والی ٹکٹیں جاری کرنے والا شعبہ بھی اسی عمارت میں ہے۔ 3 ہزار افراد پر مشتمل عملہ روزانہ 20 ہزار ترسیلات دوسرے شہروں میں بھیجتا ہے۔

جنرل پوسٹ آفس میں ٹوکن ٹیکس وصول کرنے کے علاوہ پنشن کی ادائیگی بھی کی جاتی ہے ان دنوں میں یہاں آنے والے لوگوں کی تعداد 30 ہزار سے بھی تجاوز کر جاتی ہے اس کے باوجود ملازمین بہت خوش اسلوبی سے اپنی ڈیوٹی انجام دیتے ہیں اس تاریخی عمارت میں آج ہر کام کمپیوٹر سے انجام دیا جاتا ہے خطوط بھیجنے والے لوگوں کو ایک کاؤنٹر پر ہی تمام درکار معلومات فراہم کر کے اُن سے ڈاک وصول کی جاتی ہے۔ انٹرنیٹ کی سہولت دستیاب ہونے سے ڈاک کی تعداد میں معمولی کمی واقع ہوئی ہے لیکن تجارتی ڈاک میں اضافہ کی وجہ سے پوسٹ آفس آج بھی منافع کمانے والا ادارہ ہے۔ جنرل پوسٹ آفس لاہور ڈاک کی سہولت مہیا کرنے کے علاوہ بیت المال کے معاملات بھی سنبھالتا ہے۔

جنرل پوسٹ آفس میں صبح 8 بجے سے شام 5 بجے تک ایک خوبصورت گہما گہمی دیکھنے میں آتی ہے جب اہلکار اپنے کام میں مصروف ہوتے ہیں خط کو منزل تک پہنچانے کا سب سے پہلا قدم لیٹر بکس ہی ہوتا ہے جہاں سے خط کے سفر کا آغاز ہوتا ہے لیٹر بکس سے خطوط نکالنے کے بعد ایک بڑے ہال میں ان کو اکٹھا کیا جاتا ہے جہاں سے خطوط کو ان کی منزل کی طرف روانہ کیا جاتا ہے آج کئی سال گزرنے کے بعد بھی یہ عمارت اپنی اصل حالت میں قائم و دائم ہے وقت کے ساتھ ساتھ اس کی تزئین و آرائش ہوتی رہتی ہے یہاں لٹکتی ہوئی ٹیوبوں اور بلبوں سے ہالوں کا اندرونی منظر نظروں کو بہت اچھا لگتا ہے۔

جنرل پوسٹ آفس کی عمارت کو ہر سال 14 اگست اور ڈاک کے عالمی دن 9 اکتوبر کو برقی قمقموں سے سجایا جاتا ہے 9 اکتوبر کو عمارت پر پاکستانی جھنڈے کے ساتھ یونیورسل پوسٹل یونین کا جھنڈا بھی لہرایا جاتا ہے۔

جنرل پوسٹ آفس میں ٹوکن ٹیکس وصول کرنے کے علاوہ پنشن کی ادائیگی بھی کی جاتی ہے ان دنوں میں یہاں آنے والے لوگوں کی تعداد 30 ہزار سے بھی تجاوز کر جاتی ہے اس کے باوجود ملازمین بہت خوش اسلوبی سے اپنی ڈیوٹی انجام دیتے ہیں اس تاریخی عمارت میں آج ہر کام کمپیوٹر سے انجام دیا جاتا ہے خطوط بھیجنے والے لوگوں کو ایک کاؤنٹر پر ہی تمام درکار معلومات فراہم کر کے اُن سے ڈاک وصول کی جاتی ہے۔ انٹرنیٹ کی سہولت دستیاب ہونے سے ڈاک کی تعداد میں معمولی کمی واقع ہوئی ہے لیکن تجارتی ڈاک میں اضافہ کی وجہ سے پوسٹ آفس آج بھی منافع کمانے والا ادارہ ہے۔

سات سہیلیوں کا مزار

پرویز خان

"ستین جو آستان" میں چار سو سال قبل ازبکستان، ایران، افغانستان اور عرب ممالک سے تعلق رکھنے والے سات درویش آتے رہے،

یہ کم وبیش چار سو پندرہ سال قبل کا ذکر ہے، جب ہند اور سندھ پر مغلوں کی حکومت تھی۔

ایک دن مغلیہ دور کے گورنر سندھ ابو قاسم المعروف نمکین، جو خانِ زمانہ کے نام سے مشہور تھا، کی نظر دریائے سندھ کے بیچوں بیچ سکھر کے قریب واقع جزیرے پر قائم ایک چھوٹی سی ٹیکری (پہاڑی) پر پڑی۔ روہڑی کے کنارے جنوب مشرق میں موجود چھوٹی سی ٹیکری کی قدرتی کشش نے خانِ زمانہ کو اپنی جانب کھینچ لیا۔ دریائے کے عین درمیان قدرتی کاری گری کے اس نمونے سے متاثر ہو کر گورنر سندھ نے اس ٹیکری پر پڑاؤ ڈال دیا۔ بہ وقت سحر سورج کی شعاعوں اور شب تاریک میں چاند کی کرنوں کے دریائی لہروں پر پڑنے کے دل فریب نظارے نے خانِ زمانہ کو سحر زدہ کر دیا اور گورنر سندھ قدرت کی صناعی پر عش عش کر اٹھنے کے ساتھ ساتھ اس ٹیکری کو اپنی بیٹھک بنانے پر مجبور ہو گئے۔

تاریخ میں اس جگہ نے قاسم خوانی جب کہ عرف عامہ میں "ستین جو آستان" یا "سات سہیلیوں کا آستانہ" کے نام سے جو شہرت پائی ہے وہ سندھ کے کم ہی مقامات کو حاصل ہے۔ ستین جو آستان کے سیدھے ہاتھ پر بکھر آئی لینڈ، عقب میں لینس ڈاؤن برج، سامنے سکھر بیراج اور سادھو بیلہ کی موجودگی نے اس مقام کی خوب صورتی کو چار چاند لگا دیے ہیں اور اس کی اہمیت میں اضافہ کر دیا ہے، جب کہ آستان کے الٹے ہاتھ پر انگریز دور کے دفاتر آج بھی قائم ہیں۔

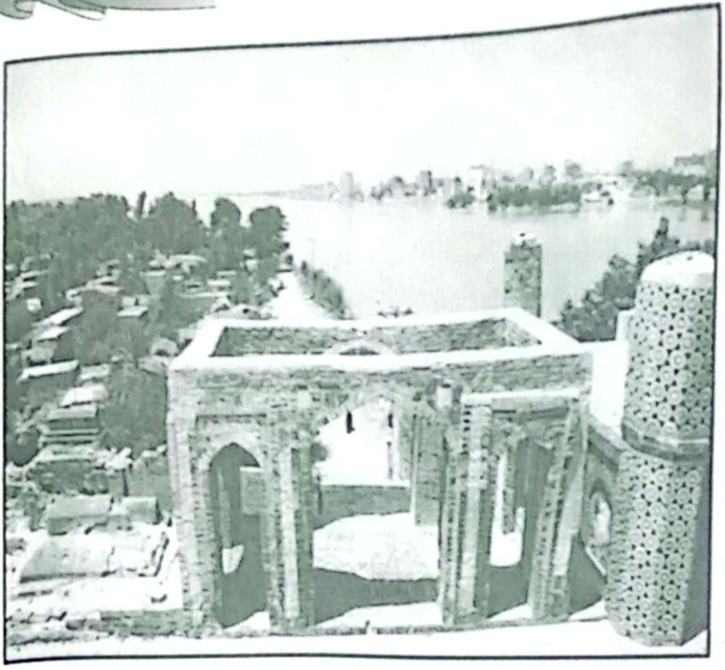

اس مقام کے متعلق سینہ بہ سینہ چلی آنے والی ایک روایت یہ بھی ملتی ہے کہ یہاں سات کنواری بیبیاں رہا کرتی تھیں، جنہوں نے عہد کیا تھا کہ وہ کسی بھی نامحرم مرد کو نہیں دیکھیں گی اور نہ ہی کسی نامحرم مرد کو خود کو دیکھنے کی اجازت دیں گی۔ راجا داہر کے دور میں ان سات بیبیوں نے اوباش لوگوں سے اپنی عزت بچانے کے لیے دعا مانگی ان کی دعا کے نتیجے میں کرشماتی طور پر ایک چٹان بیبیوں پر آ کر گری اور وہ اپنی آبرو گنوانے سے محفوظ رہتے ہوئے چٹان میں دب کر دارفانی سے کوچ کر گئیں، آج بھی ان بیبیوں کی تربت والے کمرے میں کوئی مرد داخل نہیں ہوسکتا۔ اس روایت کی وجہ سے یہ مقام سندھ بھر میں ستین جو آستان (سات سہیلیوں کا آستانہ یا مزار) کے نام سے مشہور ہوا۔ تاہم تاریخ اس روایت سے متعلق کوئی مستند ثبوت یا شواہد پیش نہیں کرتی۔ لوگوں کی اکثریت ستین جو آستان سے منسوب سات بیبیوں کو آج بھی عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور عوام اس مقام کو ستین جو آستان کے نام سے ہی جانتے، پہچانتے اور مانتے ہیں۔

اس کے برعکس تاریخ نویسوں اور محققین کا یہ کہنا ہے کہ سات بیبیاں کون تھیں، کہاں سے آئی تھیں، تاریخ اس سلسلے میں کسی بھی قسم کا جواب نہیں دیتی۔ سات بیبیوں کی کہانی من گھڑت اور روایات کی بنیاد پر قائم ہے۔ ستین جو آستان سے شہرت پانے والی یہ جگہ درحقیقت ''قاسم خوانی'' ہے، جسے خانِ زمانہ گورنر سندھ ابو قاسم المعروف نمکین نے اپنی آخری آرام گاہ کے طور پر چنا تھا اور اس کا نام ''صفحہ صفا'' رکھا تھا، خانِ زمانہ چاندنی راتوں میں اس مقام پر اپنی محفلیں بھی سجایا کرتے تھے۔

تاریخی حوالہ جات سے بات کی جائے تو مسلمان ہوں یا پھر غیر مسلم دریائے سندھ کو سب ہی انتہائی اہمیت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ انگریز دور ہو، مغل بادشاہت ہو یا پھر موجودہ زمانہ، ہر دور میں سامانِ تجارت ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کے لیے دریائے سندھ کو راہ گزر کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ انگریز اور مغلیہ دور میں مشہور ہونے والی اکثر شخصیات کی وجہ شہرت ان کے کارنامے اور ان کی شاہکار تعمیرات تھیں۔ مغلیہ دور میں سابق گورنر ابو قاسم المعروف نمکین نے بھی دریائے سندھ کے کنارے اس ٹیلے کو شاید ایسی ہی کسی تعمیر کے لیے چنا، جو اس کے نام کو دوام عطا کردے۔

ستین جو آستان کے نام سے شہرت کی بلندیوں کو چھونے والے اس مقام کی تعمیر کے لیے بھارت کے علاقے راجستھان سمیت مختلف علاقوں سے قیمتی پتھر منگوائے گئے۔ آستان پر موجود قبروں کی تعمیر میں اسی پتھر اور کاشی کا استعمال کیا گیا، یہ پتھر مکلی، ٹھٹھہ، چوکنڈی، جام لوہار (تونگ) ضلع کیرتھر، سندھ و بلوچستان کے سرحدی علاقوں میں تاریخی مقامات پر نظر آتا ہے۔

تاریخ دانوں کا کہنا ہے کہ روہڑی ہل، دادو میں واقع کیرتھر پہاڑی سلسلے یکساں نظر آتے ہیں۔ ستین جو آستان میں لائم اسٹون نرم پتھر کا استعمال بھی کیا گیا ہے، جب کہ دائیں ہاتھ پر اروڑ کے وسیع پہاڑی علاقے میں کالا پتھر (CHERT) موجود ہے اور اکثر تعمیرات میں یہ چیز نظر بھی آتی ہے اور طویل عرصے سے انسان ان پتھروں کا استعمال کر رہا ہے۔ ستین جو آستان پر

ماہر کاری گروں نے نقش ونگاری کرنے کے علاوہ عربی وفارسی زبان میں قبروں کے اوپر نقش ونگاری کی۔

ستین جو آستان کو مختلف زاویوں سے دیکھا جائے تو اس میں مغلیہ دور کے ماہر کاریگروں نے چھوٹے اور بڑے 12 مینار تعمیر کیے، جن میں سے چار مینار جس پر ماہر کاریگروں نے کاشی کا خوب صورت استعمال کیا ہے، مسجد نما بارہ دری ہیں، چار مینار ابوقاسم اور اس کے خاندان کی قبروں کے تعمیر کردہ پلیٹ فارم کی نشان دہی کرتے ہیں، جب کہ چار چھوٹے مینار لینس ڈاؤن برج کے نزدیک دوسرے پلٹ فارم پر بھی تعمیر کئے گئے تھے، جو آج بھی موجود ہیں۔ کاریگروں نے مینار، حجرے اور آستان کی تعمیر میں کاشی، مضبوط ٹائلز، چونا، ریت اور پہاڑی پتھر کا خوب صورت انداز سے استعمال کیا۔

ماہر کاریگروں نے جن کا تعلق راجستھان سے بتایا جاتا ہے، ماہرانہ انداز سے پتھر کو کاٹ کر اس پر اعلیٰ قسم کی کاشی اور ٹائلز کا استعمال کرکے اسے ایک شان دار عمارت میں تبدیل کیا۔ خانِ زمانہ کی محفل کے موقع پر سیکیورٹی کے انتظامات کے لیے اور محافظوں کے بیٹھنے کے لیے سیڑھیوں کے نزدیک دائیں بائیں تعمیر کیے گئے دو کمرے آج بھی نظر آتے ہیں۔ وصیت کے مطابق ابو قاسم المعروف نمکین اور اس کے قریبی عزیز و اقارب کو اسی مقام پر دفن کیا گیا۔ ان کی قبروں کی تیاری اس پر خطاطی اور دل کش نقش ونگاری کے ہندوستان کے بہترین کاریگروں کا انتخاب کیا گیا تھا۔

ان کاریگروں کی بہت سی نشانیاں چوکھنڈی، مکلی اور ٹھٹھہ کے دیگر قبرستانوں میں بھی نظر آتی ہیں۔ یہ سلسلہ راجستھان کے وسیع علاقے میں بھی موجود ہے۔ ستین جو آستان میں مدفون لوگوں کو رتبے کے حساب سے تدفین کیا گیا۔ خانِ زمانہ میر ابوقاسم المعروف نمکین گورنر سندھ کو سب سے اونچے مقام پر مدفن کیا گیا۔ سابق گورنر کے اہل خانہ، عزیز و اقارب اور قریبی تعلقات رکھنے والوں کی قبریں راجستھان کے زردی مائل پتھر سے تیار کی گئی ہیں۔

ان کاریگروں کی معاونت کرنے والے اہل کاروں اور ان کے خاندانوں کے لوگوں کے لیے چونے اور ریت سے قبریں تیار کرائی گئیں، ستین جو آستان میں چار مختلف پلیٹ فارم تعمیر کیے گئے تھے، جن میں پہلے پلیٹ فارم پر قبروں کو دیکھ کر یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ معصوم بچے، دوسرے پلیٹ فارم پر سابق گورنر کے خدمت گار، تیسرے پلیٹ فارم پر عزیز واقارب، چوتھے اور آخری پلیٹ فارم پر ابوقاسم المعروف نمکین اور ان کے عزیز واقارب کی قبریں موجود ہیں۔

ستین جو آستان میں کم وبیش 100 چھوٹی و بڑی قبریں موجود ہیں، جن پر اکبر اعظم کے دور کے رسم الخط کے کتبے نصب ہیں۔ سابق گورنر اور اس کے عزیز و اقارب کی اصل قبریں سیڑھیوں کے دائیں اور بائیں تعمیر ہونیوالے کمروں میں ہیں، جب کہ ستین جو آستان کے آخری پلیٹ فارم پر بنائے جانیوالی قبریں نشانی کے طور پر تعمیر کرائی گئی ہیں۔

4 سو سال قبل خانِ زمانہ کی جانب سے بنائے جانے والے ستین جو آستان پر آمد و رفت کے دشوار گزار راستوں سے گزر کر آخری سرے پر

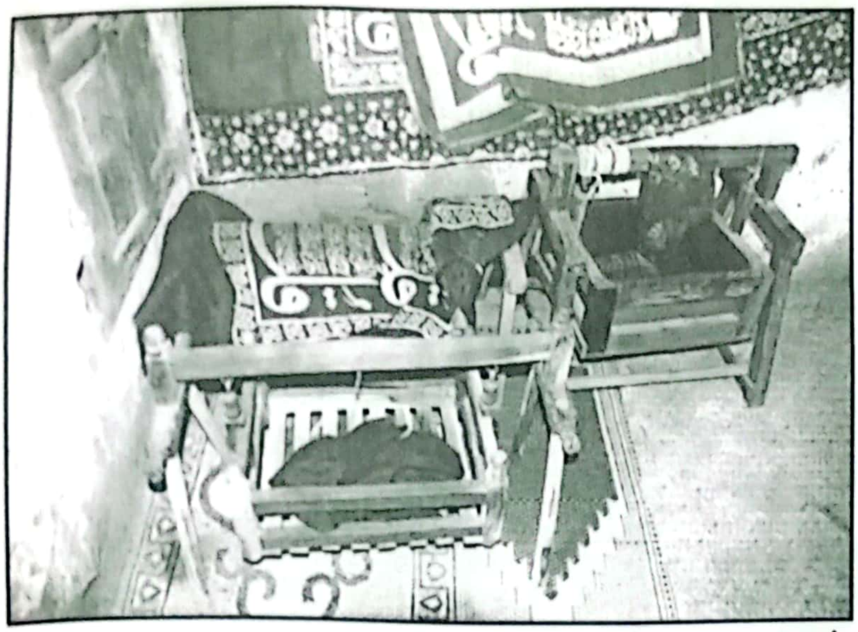

پہنچا پڑتا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد وفاق، صوبائی حکومت اور ضلع انتظامیہ کی جانب سے آنے والے ملکی وغیر ملکی سیاحوں کو بہتر سہولیات مہیا کرنے کے لیے ستین جو آستان پر اوپر جانے کے لیے پتھر کی سیڑھیاں بنوائی گئیں جو کہ آج تک قائم ہیں۔

ماضی میں دریائے سندھ کا رخ اروڑ کی جانب تھا، سابق گورنر المعروف نمکین نے دریائے سندھ پر ایسے مقام کا انتخاب کیا جو ریمپ نمونہ تھا، سطح زمین سے اندازے کے مطابق 40 فٹ اوپر تعمیرات کا آغاز کیا، 4 سو سال قبل بکھر (سکھر) کا عروج ہوا کرتا تھا اور دریائے سندھ سکھر کے مقام پر سادھو بیلہ، جینڈ پیر (زندہ پیر) اور بکھر آئر لینڈ جزیرے موجود تھے جو کہ آج بھی ہیں۔

خان زمانہ سابق گورنر ابو قاسم المعروف نمکین کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہیں فروٹ میں سب سے زیادہ خربوزہ پسند تھا، ستین جو آستان کے نزدیک وسیع علاقے پر سبزیوں سمیت خربوزہ کی فصل بھی تیار کرائی جاتی تھی، مقامی خربوزہ انتہائی لذیذ ہوا کرتا تھا، بعض کتابوں میں تحریر ہے کہ ابو قاسم خربوزے کو اتنا پسند کرتے تھے کہ وہ دن میں کئی کلو خربوزہ کھایا کرتے تھے اور اپنے دوستوں کی بھی خاطر تواضع خربوزے سے کیا کرتے تھے۔

موئن جو دڑو، لاکھین جو دڑو کی تباہی کے بعد کچھ عرصے کیلئے راجہ داہر کے دور میں اروڑ آباد ہوا تاہم مختصر وقت کے بعد ماضی کا بکھر موجودہ سکھر کو آباد کیا گیا اور مغلیہ دور میں ابو قاسم نے اس جگہ (ستین جو آستان) کو اپنا ٹھکانا بنایا۔ شاعرانہ مزاج سابق گورنر اکثر چاندراتوں میں محفل جمایا کرتے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بہتر دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے ستین جو آستان کو بھی نقصان پہنچا، تعمیر ہونے والے 12 میناروں میں سے چند ایک کے علاوہ تمام مینار خستہ حال ہو چکے ہیں۔ ستین جو آستان کے نیچے لائم اسٹون (پہاڑی پتھر) تیزی سے خراب ہو رہا ہے اور ایک لیئر کی طرح ہوا، نمی نے پہاڑی کا بہت سا حصہ کاٹ دیا ہے۔ دور سے دیکھا جائے تو پیالے کے مانند نظر آتے ہے۔

سرزمین سندھ کو باب الاسلام کہلانے کا فخر حاصل ہے۔ صوفیوں، درویشوں اور اولیائے کرام کی مرہون منت درجۂ شہرت پانے والی سرزمین سندھ کو ایک خاص اعزاز حاصل ہے۔ حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی، لعل شہباز قلندر، سچل سرمست،

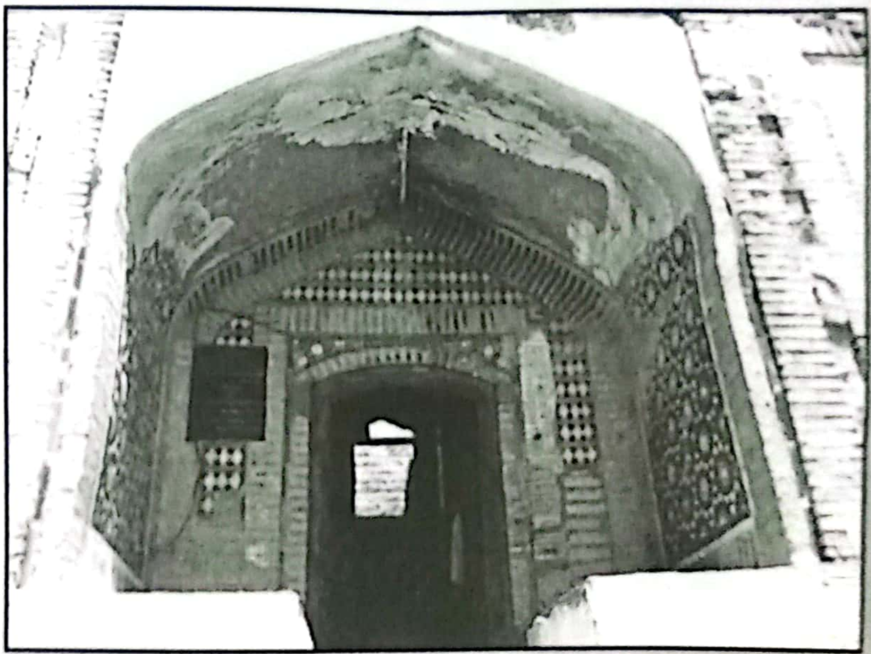

CamScanner

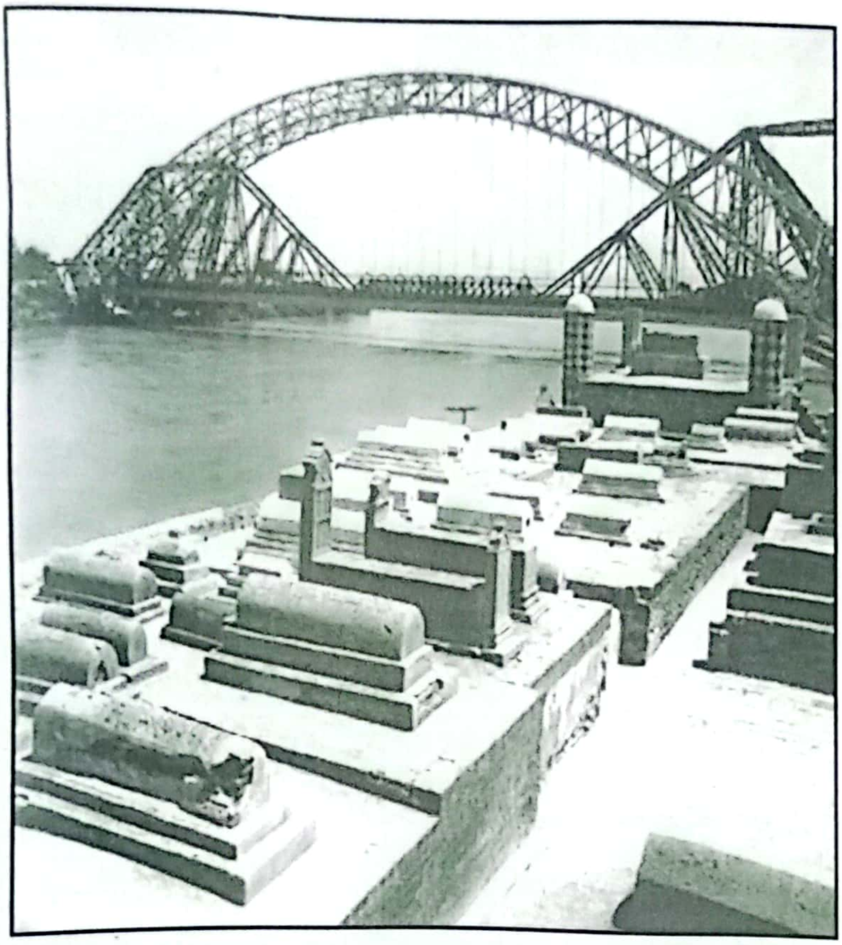

بیدل بیکس، خیرالدین شاہ المعروف جئے شاہ بادشاہ، پیر امیر محمد شاہ المعروف مکی شاہ بابا، صدر الدین شاہ بادشاہ و دیگر صوفیا و اولیاء کرام کے علم و عمل کی وجہ سے یہ خطہ بھائی چارے کا مرکز بنا رہا۔

ستین جو آستان کا نام آتے ہی ذہن میں عبادت گزار خواتین کا تصور ابھرتا ہے اور ستین جو آستان کا مقام اپنی تمام تر دل کشی کے ساتھ تخیل کے پردے پر براجمان ہو جاتا ہے۔ ستین جو آستان تفریحی مقام کے علاوہ عقیدت مندوں کے لئے روحانی مرکز بھی ہے۔

چیئرمین آرکیالوجی ڈیپارٹمنٹ شاہ عبداللطیف یونیورسٹی خیرپور پروفیسر ڈاکٹر قاصد ملاح نے بتایا ہے کہ اب تک کی جو تحقیق کی گئی ہے اور جو معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ ان سے پتا چلتا ہے کہ ستین جو آستان (سات سہیلیوں کے مزار) میں چار سو سال قبل ازبکستان، ایران، افغانستان اور عرب ممالک سے تعلق رکھنے والے سات درویش آتے رہے، جنہوں نے دریائے کے نزدیک اس چوٹی پر چلہ کاٹا اور سات سہیلیوں کے مزار میں موجود کمرے یا حجرے جسے کہتے ہیں وہاں عبادت کی، جن میں شیخ عبدالحمید سہروردی، شیخ عبدا ہراری، حمزہ بن رافع، یوسف بن بکھری، سیف الدین شیرازی، عبدالحسن خیر خوانی شامل ہیں، جب کہ ایک نام علی ڈنو احمد بصری مقامی درویش لگتا ہے۔ مذکورہ درویش کی بدولت ہی باہر سے آنے والے عبادت گزاروں نے یہاں چلہ کاٹا ہوگا۔ تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ اس دور میں بہت سے لوگوں نے اس جگہ کو سات سہیلیوں سے منسوب کرنا شروع کر دیا۔ تاہم اس حوالے سے آج تک کوئی ٹھوس معلومات سامنے نہیں آسکیں، اس حوالے سے مزید تحقیق کا سلسلہ جاری ہے۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ سکھر اور روہڑی شہر کو ملانے والے لینس ڈاؤن برج کے نیچے وسیع علاقے پر کھیتی باڑی کی جا رہی ہے۔ چند سال قبل دریائے سندھ میں نہانے والوں کی زندگیاں محفوظ بنانے، ہنگامی حالت میں طبی امداد اور مدد فراہم کرنے کے لیے یہاں نیوی کی جانب سے دفتر قائم کیا گیا تھا۔ ضرورت پڑنے پر غوطہ خور مذکورہ مقام سے مدد فراہم کر کے لوگوں کی زندگیاں محفوظ بناتے ہیں۔

خانِ زمانہ امیر قاسم المعروف نمکین کی دریافت ستین جو آستان بلا شک و شبہ قدرت کی صناعی اور انسانی فن تعمیر کا شاہکار ہے، جو کہ خوب صورتی و دل کشی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ دریائے کے سینے پر بہتی کشتیاں چاندنی راتوں میں ایک رومان پرور، سحر انگیز نظارہ پیش کرتی ہیں جب کہ شام کے وقت ڈھلتے ہوئے آفتاب کی سرخی کا منظر بھی بھلائے نہیں بھولتا، دریائے سندھ کے عین وسط میں جزیرے پر قائم ستین جو آستان آج بھی اپنی خوب صورتی و دل کشی کی بدولت ملکی و غیر ملکی سیاحوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔

CamScanner

Directorate of Electronic Media & Publications

CamScanner